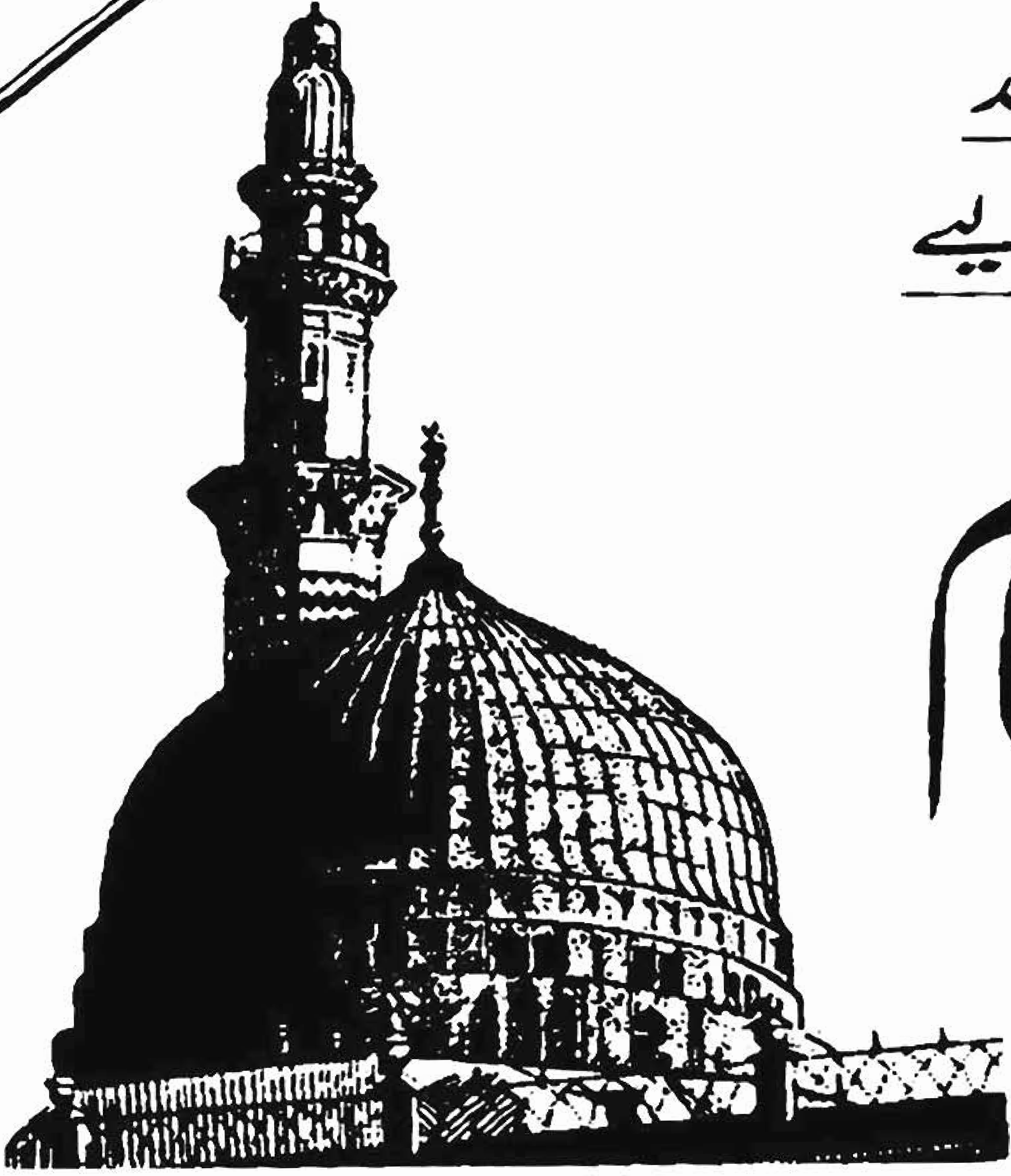
ماہنامہ ترجمان القرآن

جاری کردہ :

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ ، لاہور (پاکستان)



تفہیم القرآن کے بعد

تفہیمِ سیرت ﷺ کے لیے

سیرتِ سرورِ عالم ﷺ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

***

جلد اوّل ——— بنیادی مباحث

جلد دوم ——— ولادت سے ہجرت تک

سائز: ۲۰×۲۶/۸ ○ کتابت: دلکش ○ طباعت: عکسی ○ جلد: نفیس

ضخامت جلد اوّل: ۷۶۴ صفحات ◉ ضخامت جلد دوم: ۷۶۴ صفحات

دونوں جلدیں نقشے اور تصاویر سے مزیّن ہیں

قیمت مکمل سیٹ : ۲۰۰/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار ○ لاہور

جلد ۱۱۵ اگست ۱۹۹۱ء عدد ۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل: ۵۳۴۰

جلد ۱۱۵ اگست ۱۹۹۱ء — صفر ۱۴۱۲ھ عدد ۶

رابطہ و ترسیلِ زر کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر: ۲۳۴۰۱۴ - ۲۳۶۶۶۵ پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

فی پرچہ: ۶ روپے زرِسالانہ: ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

جماعتِ اسلامی نے پچاس سال سے جس کام کا بیڑا اُٹھایا ہوا ہے وہ دعوت الی اللہ، شہادتِ حق، انقلابِ امامت اور اقامتِ دین کے لیے منظم جدوجہد کا کام ہے۔ یہ کام ایک عظیم الشان اور گراں بار کام ہے۔ دعوت اِلی اللہ کا کام یہ ہے کہ ہم اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندوں کو، مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی، جوانوں کو بھی اور بوڑھوں کو بھی، پڑھے لکھوں کو بھی اور اَن پڑھ اور جاہلوں کو بھی، موافقین کو بھی اور مخالفین کو بھی، سب کو اللہ کی طرف بلائیں کہ وہ اس کے ساتھ جُڑ جائیں، صرف اس کے بندے بن کر زندگی بسر کریں، اور اس سے ملاقات کی تیاری کریں۔ یہ کام ایک انتہائی بھاری ذمہ داری ہے۔ شہادتِ حق کا کام یہ ہے کہ جہاں تک ہمیں استطاعت ہو، ہماری زبان اور قلم سے جو کچھ نکلے وہ حق کے مطابق ہو، اور ہم جو کام کریں اور جو رویّہ اختیار کریں وہ بھی حق کے مطابق ہو۔ اس کا کم سے کم لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ ہمارے قول اور فعل میں کوئی تضاد نہ ہو۔ اس معیار پر پورا اُترنا بھی کوئی آسان اور معمولی کام نہیں۔ اسی طرح انقلابِ امامت اور اقامتِ دین کا کام بھی کوئی ہلکا اور آسان کام نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ "دنیا کے پورے نظامِ زندگی کو بدل ڈالنا ہے، دنیا میں جو نظام خدا سے بغاوت پر قائم ہے اُسے بدل کر خدا کی اطاعت پر قائم کرنا ہے، اور اس کام میں تمام شیطانی طاقتوں سے جنگ ہے"۔

یہ کام وہ کام ہیں جن کو بجا طور پر کارِ رسالت کہا جا سکتا ہے۔ یہ خیال تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آنا چاہیے کہ ہم گذشتہ پچاس سال میں جو کچھ بھی کر سکے ہیں، ہم سے جتنی کچھ بھی اللہ کے دین کی خدمت بن پڑی ہے، اس سے اس عظیم الشان کام کا کسی درجہ میں بھی حق ادا ہو سکا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا، اور رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْ أَمْرِنَا ہی ہمارے قلب و روح اور زبان کا وظیفہ ہونا چاہیے۔ لیکن اللہ کے اس عظیم الشان فضل و احسان پر ہم جتنا شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ اُس نے نہ صرف ہمیں اقامتِ دین کے لیے منظم جدوجہد کی راہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائی، بلکہ عملاً اپنے دین کی خدمت کی توفیق بھی عنایت کی۔

مستقبل کی راہوں پر آگے بڑھتے ہوئے، یہ ضروری ہے کہ ہم ہر وقت، اور خصوصاً اس موقع پر، یہ یاد رکھیں کہ آج تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ بھی کامیابی عطا فرمائی ہے اس کے اصل اسباب کیا ہیں۔ اس لیے کہ عوامی دعوت، اصلاحِ معاشرہ اور پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کی جو جدوجہد ۱۹۴۷ء میں شروع ہوئی تھی اس کو مستقبل میں تیز سے تیز تر ہی کرنا ہوگا۔ اس کام میں اب تک جو بھی کامیابی ہوئی ہے وہ انہی اسباب سے ہوئی ہے، اور آئندہ جو کچھ ہوگی وہ بھی انہی اسباب سے ہوگی۔ بلکہ بڑھتی ہوئی عوامی اور سیاسی جدوجہد کے دَور میں یہ زیادہ ضروری ہے کہ ہم ان اسباب کے اہتمام کی فکر کریں، نہ یہ کہ اس جدوجہد کے بارے ہی میں شک و شبہ میں پڑ جائیں، یا واپس پلٹنے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیں۔

اپنے نبیؐ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو دو باتوں کے اندر سمیٹ کر بیان فرما دیا ہے ایک نصرتِ الٰہی، دوسرے جماعتِ مومنین — اور واضح کر دیا ہے کہ تائیدِ الٰہی، کہ جس کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، انہی دو اسباب سے حاصل ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ (الانفال - ۶۲)

ایک یہ کہ ہم ایسے بنیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے مستحق ہوں، اور اس کی نصرت ہمیں حاصل ہو۔ دوسرے یہ کہ ہم صحیح معنوں میں مومنین کی ایک جماعت ہوں۔

جہاد فی سبیل اللہ میں نصرتِ الٰہی کا مستحق بننے کے لیے اصل چیز یہ ہے کہ ہم واعتصموا باللہ کے اہتمام و سعی میں لگے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ الحج کے آخر میں بھی اس طرف واضح اشارہ فرمایا ہے اور ہر مرحلہ میں اس کی ہدایت کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی برابر اس کی تاکید فرماتے رہے۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ۵۰ سال قبل، آغاز کار ہی میں اس امر کو کھول کر بیان کر دیا تھا: "اس تحریک کی جان در اصل تعلق باللہ ہے۔ اگر اللہ سے آپ کا تعلق کمزور ہو تو آپ حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے اور کامیابی سے چلانے کے اہل نہیں ہو سکتے" (روداد حصہ اول، ص ۴)

اعتصام باللہ کی یہ اہمیت انسانی زندگی کی اس بنیادی حقیقت کی وجہ سے ہے جس کی علامہ اقبال نے بڑے خوب صورت انداز میں یوں نشاندہی کر دی ہے:

زندگانی را بقا از مدعا است
کاروانش را درا از مدعا است

انسانی جسم کی زندگی تو سانس کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن اس کی معنوی اور اجتماعی زندگی کی رُوح اس کا مدّعا اور مقصد ہے۔ اور انسانی جماعتوں کا تو کوئی جسمانی وجود ہوتا ہی نہیں، ان کی زندگی کے لیے مدعا و مقصد ہی رُوح کی حیثیت رکھتا ہے۔

اعتصام باللہ کا سب سے اہم اور بنیادی پہلو، جو ہماری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونا چاہیے، یہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہمارا مدّعا اور مقصود و مطلوب ہے۔ یعنی اس کی رضا، اور اس کا انعام جنت۔ یہی ہدف اور منزل ہیں۔ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ کی دعوت اور جنت و مغفرت کی طرف سَارِعُوْٓا اور سَابِقُوْٓا کی صدائیں اللہ کے مدّعا و مقصود اور ہدف ہونے ہی کو بیان کر رہی ہیں۔ اسی لیے ہم نے اپنے دستور میں یہ بات رقم کی ہے کہ جس چیز پر ہماری نگاہیں جمی رہنی چاہئیں، جس سے ہٹ

کہ ہماری نگاہوں کو اِدھر اُدھر بھٹکنا نہیں چاہیے، وہ رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ انفرادی طور پر آخرت میں ہماری کامیابی کا انحصار تو اس پر ہے ہی، جماعتی طور پر دنیا میں ہماری جان، ہماری بقا کا سامان، ہمارے کارواں کی پیش رفت اور کامیابی بھی اسی میں ہے۔

رضائے الٰہی کی بات اکثر ہماری زبانوں پر رہتی ہے، ہم صبح و شام اس کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ ہے بھی سیدھی اور صاف بات۔ لیکن سوچ اور عمل کے لیے اس مختصر اور سادہ سی بات کے بعض اہم اور نازک مضمرات ہیں۔

ا۔ اگر رضائے الٰہی ہی ہمارا نصب العین ہے، تو ہر کام میں ہمارا مدّعا اور ہدف یہی، اور صرف یہی ہونا چاہیے۔ اس میں نہ کوئی آمیزش ہونا چاہیے، نہ یہ ہو کہ زبان پر تو یہ مدّعا ہو اور دل میں چپکے چپکے کسی اور ہی مدّعا نے گھر کر لیا ہو۔ استخلاف فی الارض کا وعدہ ایسی ہی مخلصانہ بندگی کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا (النور) ”صرف میری ہی غلامی کریں اور اس غلامی میں میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں“۔ بندگی میں حنیف و مخلص ہونے کا قرآن مجید میں بے شمار جگہ ذکر ہے۔ حنیف وہ ہے جو ہر چیز سے کٹ کر صرف اللہ کا ہو رہے۔

کیا رضائے الٰہی ہی فی الواقع ہمارا نصب العین ہے؟ چند چھوٹے چھوٹے معیار ہیں جن پر پرکھ کر ہم اپنا امتحان کر سکتے ہیں۔ دُنیا میں اپنی منزل تک پہنچنے میں تاخیر یا ناکامی پر ہمیں مایوسی کیوں ہو؟ اُوپر سے کوئی کہنے والا، ٹھیلنے والا نہ ہو، تو ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر کیوں بیٹھ جائیں؟ اختلاف رائے ہو، تو ہمیں اپنی رائے منوانے پر اصرار کیوں ہو؟ ساتھی غلطیاں کریں تو ہم سمجھانے کے لیے نرمی و دلسوزی کے بجائے شدت و غلظت کیوں اختیار کریں؟ منصب سے ہٹنے کی نوبت نظر آئے، تو ہمیں خوشی کے بجائے خلش اور اس پر جمے رہنے پر اصرار کیوں ہو؟ ہمارے ہی ساتھی اگر ایسی بات کہہ دیں یا کر دیں جو ہمیں ناگوار ہو یا جس سے ہمارے نفس کو چوٹ لگتی ہو، تو ہم

غصہ سے بے قابو کیوں ہونے لگیں، ہماری تیوریاں کیوں چڑھیں، ہماری زبان تلخ کیوں ہو جائے، ہم بدلہ لینے پر کیوں اُتر آئیں؟ ہمیں تقریر کی دعوت نہ ملے، اسٹیج پر موزوں مقام نہ ملے، مناسب عزت و تکریم نہ ہو، تو ہمارا دل کیوں بھِنچنے لگے اور اس میں غیظ و غضب کا شعلہ کیوں سر اُٹھائے؟

میں اپنے رفقا سے حُسنِ ظن رکھتا ہوں، اور مجھے پوری اُمید ہے کہ وہ ان باتوں پر خود کو تولیں گے تو پورے اُتریں گے۔ لیکن شیطان کے کید و خدع کو کبھی ہلکا نہ سمجھنا چاہیے، اور اپنے محاسبۂ نفس سے کبھی غافل نہ ہونا چاہیے۔ وہ کسی کارِ بد میں نہ ڈال سکے...... تو نیک کاموں کو غارت کرنے کے درپے رہتا ہے۔ اور نیک کام جتنا اعلیٰ درجہ کا ہو، اور جہاد سے زیادہ اعلیٰ کام کیا ہو سکتا ہے، تو وہ اپنی وسوسہ کاریاں اتنی ہی شدید کر دیتا ہے۔

اعتصام باللہ اور ابتغاء مرضات اللہ کی اس جستجو میں جہاد، عوامی دعوت اور سیاسی جدوجہد ایک نازک امتحان سے دوچار کر دیتی ہے۔ ایک طرف، یہ کام اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ آپ عام لوگوں کے درمیان رہیں، ان میں دعوت و تعلیم کا کام کریں، ان کو اپنے ساتھ جمع کریں، ان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھائیں، ان کو ایک قوت میں تبدیل کریں۔ دوسری طرف، ان میں ہر کام اخلاص کے لیے پُرخطر ہے۔ بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ للّٰہیت اور اخلاص کے حصول کا راستہ یہی ہے کہ انسان یہ کام ترک کر دے، گوشۂ عزلت میں بیٹھ جائے، دوسرے لوگوں سے سروکار نہ رکھے۔ لیکن پھر دعوت اِلی اللہ، اصلاحِ مخلوق، اور قیام قسط کا کام کس طرح ہوگا؟ اس لیے اگرچہ امتحان نازک اور کڑا ہے، لیکن کامیابی کی صورت میں اجر بھی بہت عظیم ہے۔ ایک انسان آپ کی سعی و کاوش سے راہِ ہدایت پر آجائے، یہ ایک ایسا صدقۂ جاریہ ہے کہ حد و حساب نہیں۔ یہ بہرحال حقیقت ہے کہ یہ راہ رہبانیت سے زیادہ کڑی راہ ہے۔ اسی لیے اس کو اس اُمت کی رہبانیت قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اللہ کی رضا کوئی ایسا کام کر کے ہرگز بھی حاصل نہیں ہو سکتی جو اس کو

ناراض کرنے والا ہو۔ اس لیے رضائے الٰہی کا حصول جس کی آرزو ہو، اور اس کی جستجو جس کی کاوش ہو، وہ سب سے بڑھ کر خود کو ایسے کاموں سے بچائے گا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوں اور ایسے کام رضائے الٰہی اور جہاد فی سبیل اللہ کے نام پر کرنے کی خوفناک جسارت ہرگز نہ کرے گا۔ اسی لیے تقویٰ کو جو در اصل اللہ کی ناراضگی سے بچنے کا نام ہے، نیکیوں میں سرفہرست رکھا گیا ہے اور نیکیوں کا سرچشمہ بتایا گیا ہے۔

شیطان وعدے وعید کے جال بچھاتا ہے، اور سبز باغ دکھا کر اپنے پھندے میں پھانستا ہے۔ اِن میں اس کا ایک بڑا پُرفریب داؤ یہ ہے کہ وہ بُرائیوں کو نیکی کا لبادہ اوڑھا دیتا ہے۔ بُرائی جانتے ہوئے بھی نیکی کی خاطر، انسان بُرائی کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ اس لیے جو رضائے الٰہی کا طلب گار ہو اُسے یہ اُصول اپنے سامنے رکھنا چاہیے کہ کوئی ایسا کام کر کے جو اللہ کو ناپسند ہو اُس کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی۔

لیکن اس معاملے میں کہ کیا کام اللہ کو ناپسند ہیں، دین کے اُصولوں کے دائرہ میں رہنا چاہیے اور غلو سے بچنا چاہیے۔ فرائض بھی واضح ہیں، ان میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ حرام و حلال بھی واضح ہیں۔ طیبات سب حلال ہیں۔ کسی حرام کو حلال کرنا جتنا بڑا گناہ ہے، حلال کو حرام کرنا بھی اس سے کم درجہ کا گناہ نہیں ـــــ اجتہادی اُمور میں، فہم نصوص کا معاملہ ہو یا مستنبطات کا، اُصولوں کا ہو یا جزئیات و فروعیات کا، اُس چیز سے سختی کے ساتھ بچنا چاہیے جو اپنے علم کے مطابق، یا جس عالم پر اعتماد ہو اُس کی رائے کے مطابق، اللہ کو ناراض کرنے والی ہو۔ لیکن اگر کسی کی رائے اس معاملہ میں اس سے مختلف ہو اور اس کے پاس دلیل شرعی موجود ہو، یا وہ کسی مختلف رائے رکھنے والے عالم کی رائے پر چل رہا ہو، تو اُس پر اپنی رائے مسلط نہ کرنا چاہیے۔ نہ اس کے بارے میں فتوٰی بازی کی روش اختیار کرنا چاہیے۔ سلف کے زمانہ سے اجتہادی اُمور میں توسع کا معمول یہی

چلا آرہا ہے۔

۳۔ دُنیا میں ملکیت اور تدبیر و تصرف کے سارے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں۔ اس لیے نفع و نقصان صرف اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو نفع پہنچانا چاہے، اُسے کوئی چھین نہیں سکتا۔ جس کا نہ ملنا اُس نے مقدّر کر دیا ہے، وہ کوئی دے نہیں سکتا۔ جو نقصان و ضرر اس نے لکھ دیا ہے اُسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یہ یقین توحید کی رُوح ہے۔ اِس کے بغیر اقامتِ دین کی راہ طے نہیں ہو سکتی۔ رضائے الٰہی کی جستجو میں بھی قدم بڑھانا ممکن نہیں۔

اِسی سے توکّل پیدا ہوتا ہے۔ توکّل ترکِ اسباب کا نام نہیں، ترکِ رویتِ اسباب کا نام ہے۔ یعنی ہم سارے اسباب جمع کریں، ساری تدابیر اختیار کریں، ہر ایک بہتر سے بہتر ہو، لیکن ان اسباب ہی کو مُسبّب نہ سمجھیں، ان تدابیر ہی کو مدبّر نہ سمجھ بیٹھیں۔ مُسبّب اُس کو سمجھیں جس نے آسمان و زمین کے سارے اسباب و وسائل پیدا کیے اور عرش پہ قائم ہو گیا۔ مدبّر اُس کو سمجھیں جس نے اپنے بارے میں کہا ہے کہ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ۔ (وہ آسمان سے زمین تک ساری تدبیر کرتا ہے)۔

اِس راہ میں بھی ایک نازک مقام آتا ہے۔ ایک طرف توکّل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مقدور بھر ہر قسم کے وسائل جمع کریں۔ قلّت کو کثرت سے بدلنے کی کوشش کریں، اور ضعف کو قوت سے۔ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ پہ عمل پیرا ہوں۔ دوسری طرف بھُولے سے بھی اپنی تعداد اور قوت پہ نازاں نہ ہوں، اس کا غرّہ نہ ہو، اسی کو اصل سبب نہ سمجھنے لگیں۔ ایسا ہو تو نہ تعداد ہمارے کام آئے گی، نہ مادّی وسائل۔ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا۔ (جب اپنی کثرتِ تعداد دیکھ کر تم خوش ہونے لگے تو تمہاری کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی)، کی صورتِ حال سے سابقہ پیش آسکتا ہے۔

۴۔ اخلاص ہو یا تقویٰ، توکّل ہو یا صبر، جو چیز ان سب کی مضبوطی کا سرچشمہ

ہے، جس سے زندگی اور جدوجہد میں رنگ اور استقامت پیدا ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہمیں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ (اور ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں)۔ محبت فاتحِ عالم۔ اسی سے اپنے نفس کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں، اور اپنے اندر کی مملکت فتح ہوتی ہے۔ اسی سے انسانوں کے دل فتح ہوتے ہیں۔ اسی سے مملکتِ ارضی فتح ہوتی ہے۔

سب سے بڑھ کر محبت اللہ سے ہو، نہ اپنے نفس سے نہ جاہ سے نہ دنیا سے، تو اخلاص کے سارے پُرخطر اور نازک مقامات طے کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ محبت ہو، دل کو لگی ہو، تو کسی بیرونی دباؤ کے بغیر، اپنے اندر کے جذبۂ محبت سے سرشار ہوکر ہم راہِ حق میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔

اللہ سے محبت ہو تو ہر اُس چیز سے محبت ہوجاتی ہے جس کو اس سے نسبت ہو۔ اُس کے رسولؐ سے، اُس کی کتاب سے، اُس کے گھر سے، اس کے احکام سے، اس کے لیے کام کرنے والی جماعت سے، اس کی راہ میں ساتھ چلنے والوں سے، اور چلانے والوں سے۔ اس محبت کے تقاضوں اور آداب سے کون واقف نہیں۔ اِن تقاضوں اور آداب کو ملحوظ رکھے بغیر محض محبت کے دعوے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔

اعتصام باللہ ہی آپ کے لیے قوت کا اصل سرچشمہ ہے۔ اپنے لیے ضبطِ نفس اور شوقِ منزل کا حصول اِسی مدرسہ میں ہوسکتا ہے۔ جماعت کی قوت کا اصل سرچشمہ بھی یہی ہے۔ اِسی کی مدد سے جہاد اور عوامی و سیاسی جدوجہد کی پُرخار راہ پر سے آپ بسلامتی گزر سکتے ہیں۔

اس کے حصول کا راستہ مختصراً اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا مولیٰ و آقا بنائیں، اسی کو اپنا مددگار بنائیں۔ اُسی کے آگے جھک جائیں، اُسی کے

آگے بچھ جائیں، اُسی کی غلامی اختیار کرلیں، اسی کے بن جائیں، اسی کے ہو رہیں، اور اس کی مخلوق کے ساتھ مجسم خیر و بھلائی بن جائیں۔ اُس کو اُٹھتے، بیٹھتے، لیٹے یاد رکھیں، صبح و شام یاد رکھیں۔ وہ ہر وقت میرے ساتھ ہے، دیکھ رہا ہے، سُن رہا ہے۔ ہر چیز اُس کی بخشی ہوئی ہے۔ جتنا شکر ادا کروں، کم ہے۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ جتنا ڈروں، اتنا ہی کم ہے۔ اس کی رضا کا جو کام بھی بن پڑے، وہ کر دوں۔ ہر وقت اس سے ملاقات کی گھڑی کو یاد رکھوں، اور اس ملاقات کے لیے تیاری کی کوشش میں لگا رہوں۔ یہ ہے یادِ الٰہی۔

یہ چیز آپ کو حاصل ہو جائے تو جو کام اللہ کی راہ میں ہو، اس کے حکم کے خلاف نہ ہو، صرف اس کے لیے ہو، وہ کتنا ہی دُنیوی اور سیاسی ہو، آپ کے لیے عین دینی اور خیر و برکت کا کام ہے۔ اور یہ نہ ہو، تو کوئی کام بظاہر کتنا ہی دینی اور تعمیری کیوں نہ ہو، آپ کے لیے بالکل بے نتیجہ ہے، بلکہ ضرر رساں ہو سکتا ہے۔ نماز بھی ایک خالص سیاسی اور دُنیوی کام بن سکتی ہے، اور تلوار لے کر انسانی خون بہانا جیسا سیاسی و دُنیوی کام بھی ایک اعلیٰ دینی کام بن سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہی نصرتِ الٰہی کی کلید ہے۔ لیکن دوسرا ذریعہ جس کی اللہ تعالیٰ ہماری تائید فرماتا ہے وہ ہے "مومنین کی جماعت"۔ اس جماعت کی قوت کا اصل راز تو ایمان باللہ یا اعتصام باللہ ہے، لیکن چند اور بنیادی اہمیت کی حامل چیزیں بھی جماعت کی قوت کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس موضوع پر ہم ان شاء اللہ آئندہ کسی شمارہ میں گفتگو کریں گے۔

---

(۲)

ملک میں ایک عرصہ سے امن و امان کی صورتِ حال انتہائی تشویشناک چلی آرہی ہے۔ یہ صورتِ حال سُدھرنے کے بجائے روز بروز مزید بگڑتی رہی ہے۔ خرابی مسلسل بڑھتی رہی ہے۔ لاہور کے محلہ اسلام پورہ میں اور شیخوپورہ میں ہونے

والے حالیہ واقعات نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ خرابی اور بگاڑ اپنی انتہائی حدوں تک پہنچ چکا ہے۔ ملک ڈاکوؤں، قاتلوں، تخریب کاروں اور دہشت گردوں کی گرفت میں ہے، اور امن وامان قائم کرنے کے ذمہ دار خاموش اور بے بس تماشائیوں کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ گنجان آبادی والے محلوں میں، اپنے بظاہر محفوظ گھروں کی چار دیواری کے اندر، دن دہاڑے ان کے مکین موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ اسلام پورہ میں تیرہ بے گناہ مرد اور عورتیں، بوڑھے، جوان، اور چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، چھریوں سے ذبح کر دیئے گئے۔ شیخوپورہ میں اسی طرح پانچ افراد سینوں میں چھرے گھونپ کر ہلاک کر دیئے گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہمارے بھائی، بہن اور بچے جو ایسی بربریت کے ساتھ اپنے گھروں میں قتل کیے گئے، اور سارے قرائن سے اب تک یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی دشمنوں کے ایجنٹوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے، بلاشک وہ شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کو شہداء کے مقام پر فائز فرمائے اور شہداء کے درجات وثواب عنایت کرے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا ہے کہ وہ ان کے پس ماندگان کو رضا بالقضا اور صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

سندھ تو عرصہ سے بدامنی، لاقانونیت اور دہشت گردی کی آگ میں جل رہا ہے۔ آبادیوں کے اندر گھس کر گھر گھر بے گناہوں کا قتلِ عام ہوتا ہے۔ راہ چلتے لوگوں پر گاڑیوں سے فائرنگ کر کے ان کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ بسوں کو روک کر مسافروں کو بھون دیا جاتا ہے۔ تعذیب کے لرزہ خیز طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ سیاسی مخالفین کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے جاتے ہیں، ان کے سروں اور اعضاء میں برقی ڈرل سے سوراخ کیے جاتے ہیں، اُن کو زندہ جلا دیا جاتا ہے۔ خانہ جنگی ہوتی ہے۔ بے دریغ لوگ مارے جاتے ہیں۔ فوجی افسروں کی نگرانی میں اغوا شدہ قیدیوں کا تبادلہ ہوتا ہے، جن میں اکثر زندہ لاش بن چکے ہوتے ہیں۔ ڈاکہ زنی ایک منظم کاروبار اور صنعت بن چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سترہ ہزار مسلح ڈاکو مصروفِ کار

ہیں۔ ان کو با اثر وڈیروں، سیاستدانوں، پولیس اور انتظامیہ کے افسران اور حکمرانوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ جنگلوں میں اُن کے اڈے ہیں جہاں ہر طرح کا سامانِ تعیش ان کو میسر ہے۔

بد امنی کی اس لہر نے اب پنجاب کا رُخ کر لیا ہے۔ اسلام آباد جو حکمرانوں اور بڑے لوگوں کے لیے محفوظ جزیرہ بنایا گیا تھا وہ بھی ... محفوظ نہیں رہا۔ وزیر اعظم کے اسپیشل اسسٹنٹ کے گھر میں ڈاکہ پڑا۔ اور ڈی آئی جی کے ایک بڑے افسر کے گھر میں قتل کی واردات ہوئی۔ لاہور میں چوری اور ڈاکے اب معمول کے کام بن چکے ہیں۔ پولیس کے سامنے ایک طالب علم لیڈر کو گولی سے مار دیا گیا، پولیس کے سامنے ہی اسکوٹر پر سوار ایک تاجر کو گولی سے زخمی کر کے ساڑھے سات لاکھ روپے لوٹ لیے گئے، پولیس تھانے کے بالکل سامنے ہی یوٹیلٹی سٹور لوٹ لیا گیا۔

ایک مرض یا فساد تسلسل کے ساتھ موجود رہے، تو بالعموم وہ لوگ جن پر براہِ راست اس کی زد نہیں پڑتی، لاپرواہی، بے حسی اور غفلت کی منشیات میں اپنے لیے امن و سکون تلاش کر لیتے ہیں۔ لیکن پھر اچانک بعض دفعہ یہ فاسد مواد اس طرح پھوٹ کر نکلتا ہے کہ ان کا یہ مصنوعی سکون و چین غارت ہو جاتا ہے۔ لوگ چونک پڑتے ہیں، لرز اُٹھتے ہیں، اور خوف و دہشت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ دنوں لاہور اور شیخوپورہ میں ہونے والے واقعات اسی نوعیت کے واقعات ہیں۔ کچھ بعید نہیں کہ اس نوعیت کے اور بھی واقعات ہوں۔

یہ دہشت اور تخریب کی کارروائیاں کس نے کیں، اور کیوں کیں؟ اس بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنا اور قوم کو باخبر کرنا تو حکومت کی ذمہ داری ہے، مگر سارے قرائن بتاتے ہیں کہ ان کے پیچھے بھارت اور اس کی خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھ لازماً ہیں۔ یہ کام کرنے والے ان کے بھیجے ہوئے ایجنٹ ہیں، یا انھوں نے مقامی لوگوں

کو خرید کر اپنا ایجنٹ بنا لیا ہے۔ ایسی کاروائیاں انتہائی تربیت یافتہ لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ ایک گھر میں کئی لوگ داخل ہوں، کافی وقت رہیں، باہر سے آنے والوں کو بھی قابو کرتے جائیں، ۱۳ افراد کو صفائی کے ساتھ ذبح کر ڈالیں، اور نکل جائیں، ۔۔۔ یہ کام عام آدمی کا کام نہیں۔

بھارت کے مقاصد واضح ہیں۔ وہ اپنے ملک میں ۔۔۔ آسام، ناگالینڈ، پنجاب وغیرہ میں ۔۔۔ خلفشار کا شکار ہے۔ کشمیر میں بھارتیوں کو ایک منظم اور مسلح جدوجہد آزادی سے سابقہ ہے۔ روزانہ ان کے فوجی مارے جاتے ہیں، اور ان کے فوجی خود نہتے شہریوں کے خلاف قتل و آبروریزی کی لرزہ خیز کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ یہ قیاس مشکل نہیں کہ اپنی مشکلات سے توجہ ہٹانے کے لیے پاکستان میں، بالخصوص پنجاب میں، دہشت گردی اور تخریب کاری کی یہ انتہائی لرزہ خیز وارداتیں کی گئی ہیں۔

اس طرح وہ کئی فوائد حاصل کرنے کا سوچ سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہندوستان کے پنجاب کی طرح یہاں کے پنجاب کی آبادی کو خوف اور دہشت کا شکار کر کے ان کے حوصلے پست کیے جائیں۔ موجودہ جنگوں میں شہری آبادیوں پر بمباری اسی مقصد سے کی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ عام آبادی میں بدحواسی اور اضطراب پھیلے اور کاروباری زندگی درہم برہم ہو، اور ملک کی معیشت تباہ ہو۔ اسی لیے شاید ان کارروائیوں کا نشانہ تاجروں اور چھوٹے صنعت کاروں کو بنایا جا رہا ہے۔ تیسرے یہ کہ حکومت عدم استحکام کا شکار ہو۔ چوتھے یہ کہ ملک کا سیاسی نظام ایک دفعہ پھر عدم استحکام کا شکار ہو۔ پانچویں یہ کہ ایک طرف سیاسی عدم استحکام، معاشی بدحالی، شہریوں کے اموال کی شکست و ریخت، دوسری طرف ڈپلومیٹک سازشوں کا تانا بانا، تیسری طرف امریکہ اور دیگر بین الاقوامی طاقتوں کا دباؤ، یہ سب مل کر ایسی فضا بنے کہ، کشمیر کا جہاد ہو یا نیوکلیر دفاع کا مسئلہ، افغانستان کا جہاد ہو یا فلسطینیوں کی حمایت، پاکستان میں جو حکومت بھی ہو وہ بالآخر صحیح قوتِ فیصلہ و عمل سے محروم ہوتی جائے، موم ہوتی جائے، مڑتی جائے، جھکتی جائے

نرم چارہ بن جائے، اور بالآخر ہر معاملہ ایسے فیصلے، پالیسیاں اور راہِ عمل اختیار کرے جو امریکہ اور بھارت جیسے ممالک کے مفاد میں ہوں۔

سندھ میں جب تخریب کاری کے واقعات ہوئے، انتہائی اعلیٰ سطح تک کے افسران نے یہ اعلان کیے کہ یہ کارروائیاں بیرونی طاقتوں کے ایجنٹ کر رہے ہیں۔ تربیت یافتہ ایجنٹوں کے ملک میں داخل ہونے کے اعلانات بھی کیے گئے۔ لیکن بدقسمتی سے آج تک ایک بھی بیرونی ایجنٹ کو پکڑ کے، مقدمہ چلا کے، حقائق منکشف کر کے، جرم ثابت کر کے، سزا نہیں دی گئی۔ کیا اب اسلام پورہ اور شیخو پورہ جیسے واقعات کا انجام بھی یہی ہونے والا ہے۔

اب وقت آگیا ہے کہ ملک کے محبِ وطن عوام بیدار ہوں۔ وہ منظم ہوں اور دشمن کے اس حملہ کو ناکارہ بنانے کے لیے خود اپنا دفاع کریں۔ ہوشیار اور چوکس رہیں۔ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہیں اور باہمی مدد کو پہنچیں۔ اسلام پورہ اور شیخو پورہ میں دہشت گرد اتنی بڑی کارروائیاں کر کے اس طرح ... نکل گئے کہ کسی پڑوسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ یہ سوچنے کا مقام ہے کہ ایسا کیسے ہو سکا۔ محلوں میں کمیٹیاں بنائی جائیں۔ خوف و ہراس، بدحواسی و پست ہمتی اور جذباتی کارروائیوں سے بہر صورت اجتناب کریں۔

جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کو خاص طور پر آگے بڑھ کر بیداری اور جرأت و ہمت سے کام لیتے ہوئے عوام کو منظم کرنے، ان کے حوصلے بڑھانے، اور ان کو خوف و ہراس سے محفوظ رکھنے کے لیے سرگرمِ عمل ہو جانا چاہیے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات سے لے کر آج تک جماعتِ اسلامی کے کارکنوں نے ایسے مواقع پر بھرپور خدمات انجام دی ہیں۔ اس وقت بھی ان کو اپنے فرائض کی انجام دہی میں پیچھے نہ رہنا چاہیے۔ اسی طرح اسلامی جمعیت طلبہ، اسلامی جمعیت طالبات، پاسبان، نیشنل لیبر فیڈریشن جیسی تنظیموں کو بھی اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے آگے آنا چاہیے۔ ہم گلیوں اور محلوں میں تمام دینی، سیاسی اور سماجی کارکنوں

سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ سیاسی اور مذہبی اختلافات سے بالاتر ہوکر ملک دشمن عناصر کے مقابلہ میں خود بھی منظم ہوں، اور عام شہریوں کو بھی منظم کریں۔

ضروری ہے کہ اس وقت قوم میں یک جہتی پیدا کی جائے۔ حکومت اور اپوزیشن ہوشمندی کا ثبوت دیں۔ امن و امان کے مسئلے کی آڑ لے کر جمہوری روایات کو پامال کرنے کی کوشش کی گئی تو آنے والی ہر حکومت کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اپوزیشن امن و امان کے مسئلہ کو سیاسی اکھاڑہ نہ بنائے، اور اس کے ذریعے حکومت کو غیر مستحکم کرنے کا کام نہ کرے۔ اسی طرح حکومت کا فرض ہے کہ اس مسئلہ کی آڑ میں سیاسی مخالفین کو کچلنے اور دبانے کے بجائے قومی مفاہمت، رواداری اور اتحاد کی روش اختیار کرے۔

اس موقعہ پر حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ان اندرونی خرابیوں کی اصلاح کرے جن کی وجہ سے بد امنی بڑھتی جارہی ہے، عام اخلاقی بگاڑ، غربت اور مہنگائی اور معاشی تفاوت ختم کرنے کے علاوہ پولیس اور انتظامیہ میں بنیادی اور انقلابی تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔ اس سلسلہ میں ضروری یہ ہے کہ آئی جے آئی کے منشور کو عملی جامہ پہنانے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم یہ جانتے ہیں کہ دنیا میں جو فساد ظاہر ہوتا ہے وہ انسانوں کے اپنے اعمال کا پھل ہوتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ــ قوموں کو اگر بگاڑ، فساد، اور تباہی و بربادی سے سابقہ پڑتا ہے تو وہ بھی دراصل ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حدیثِ قدسی سے بھی ہم کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان معلوم ہے کہ "یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تمہاری طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں۔ پس جو بھلائی پائے وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور جو خرابی پائے وہ خود اپنے آپ کو

ملامت کرے"۔ (مسلم بروایت ابی ذر)

اس موقع پر سب سے ضروری اور اہم بات یہ ہے کہ ہم سب انفرادی اور اجتماعی طور پر اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اپنا احتساب کریں، اپنے اعمال کا جائزہ لیں، اللہ کے سامنے خطاکار غلاموں کی طرح حاضر ہو جائیں، روئیں اور گڑگڑائیں، اپنے گناہوں پر استغفار کریں، توبہ کا سامان کریں، کسی پہ زیادتی کی ہو تو اُس کی تلافی کریں، صدقِ دل سے آئندہ گناہوں سے اجتناب کا عہد کریں۔

اجتماعی طور پر بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم پر خون ریزی کی لعنت مسلط ہے، اگر ہم قساوتِ قلب کا شکار ہیں، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ نقضِ میثاق کے جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اگر ہمارے درمیان عداوت و بغض کی وبا پھیل گئی ہے، تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اللہ نے ہم کو جو ہدایت دی تھی اور جو مشن سپرد کیا تھا، بحیثیت قوم و ملت ہم نے اُسے فراموش کر دیا ہے۔ پاکستان اسلام کے لیے بنا تھا، لیکن ۱۹۴۷ء سے جو کھیل ہم شریعت کے نام پر کھیل رہے ہیں، اس کی ایک سزا ہم ۱۹۷۱ء میں بھگت چکے ہیں جب پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا۔ آج بھی ہم اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے اگر وہ ہم کو سزا دینے کا فیصلہ کر دے۔ لیکن تجدیدِ ایمان، استغفار و توبہ اور تقویٰ سے عذاب ٹل جاتے ہیں، اور آسمان و زمین سے برکتوں کے دہانے کھُل جاتے ہیں۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

اَن پڑھ عوام میں دعوت کا کام

سوال:- ۸۰ فیصد اَن پڑھ لوگوں کو دعوتِ اسلامی سے کیسے رُوشناس کرایا جائے؟

جواب:- اسلام کی دعوت جب عرب میں پیش کی گئی تھی اُس وقت کی مخاطب آبادی تقریباً سو فیصد اَن پڑھ تھی۔ قریش جیسے ترقی یافتہ قبیلے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں صرف سترہ افراد پڑھے لکھے تھے۔ مدینے میں اس سے بھی کم لوگ تعلیم یافتہ تھے۔ اور باقی عرب کی حالت کا اندازہ آپ ان دو بڑے شہروں کی حالت سے کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید اُس ملک میں لکھ کر نہیں پھیلایا گیا تھا۔ بلکہ وہ لوگوں کو زبانی بتایا جاتا تھا۔ صحابہ کرامؓ اس کو سُن کر ہی یاد کرتے تھے۔ اور پھر زبانی ہی اُسے دوسروں کو سُناتے تھے۔ اِسی ذریعہ سے پورا عرب اسلام سے روشناس ہوا۔ پس درحقیقت لوگوں کا اَن پڑھ ہونا کوئی ایسی دشواری نہیں ہے جس کی وجہ سے اسلام کی تبلیغ نہ ہوسکتی ہو۔ آغازِ اسلام میں اس دین کی تبلیغ اَن پڑھ لوگوں ہی میں کی گئی تھی اور یہ محض زبانی تبلیغ و تلقین ہی تھی جس سے اُن کو اِس قدر بدل دیا گیا، ایسا زبردست انقلاب ان کے اندر برپا کر دیا گیا کہ وہ دُنیا کے مصلح بن کر کھڑے ہو گئے۔ اب آپ یہ کیوں سمجھنے لگے ہیں کہ ۸۰ فیصد اَن پڑھ آبادی میں اسلام کی دعوت نہیں پھیلائی جا سکتی؟ آپ کے اندر ۲۰ فیصد تو پڑھے لکھے لوگ موجود ہیں۔ وہ پڑھ کر اسلام کو سمجھائیں اور پھر باقی ۸۰ فیصد لوگوں کو زبانی تبلیغ و تلقین سے دین سمجھائیں۔ پہلے کی بہ نسبت اب یہ کام زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ البتہ فرق جو کچھ ہے وہ صرف

یہ ہے کہ اس وقت جو شخص بھی اسلام کی تعلیمات کو سن کر ایمان لاتا تھا وہ ایمان لاکر بیٹھ نہیں جاتا تھا بلکہ آگے دوسرے بندگانِ خدا تک ان کی تعلیمات کو پہنچانا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس کی تمام حیثیتوں پر مبلغ ہونے کی حیثیت غالب آجاتی تھی۔ وہ ہمہ تن ایک تبلیغ بن جاتا تھا۔ جہاں جس حالت میں بھی اسے دوسرے لوگوں سے سابقہ پیش آتا تھا، وہ ان کے سامنے اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہدایات بیان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ وہ ہر وقت اس تلاش میں لگا رہتا تھا کہ کسی طرح اللہ کے بندوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم کی روشنی میں لائے۔ جتنا قرآن بھی اسے یاد ہوتا اسے لوگوں کو سناتا، اور اسلام کی تعلیمات جتنی کچھ بھی اسے معلوم ہوتیں، ان سے وہ لوگوں کو آگاہ کرتا تھا۔ وہ انہیں بتاتا تھا کہ صحیح عقاید کیا ہیں جو اسلام سکھاتا ہے اور باطل عقیدے اور خیالات کون سے ہیں جن کی اسلام تردید کرتا ہے۔ اچھے اعمال اور اخلاق کیا ہیں جن کی اسلام دعوت دیتا ہے، اور برائیاں کیا ہیں جن کو وہ مٹانا چاہتا ہے۔ یہ سب باتیں جس طرح پہلے سنائی اور سمجھائی جاتی تھیں اسی طرح آج بھی سنائی اور سمجھائی جاسکتی ہیں۔ ان کے لیے نہ سنانے والے کا پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے نہ سننے والے کا۔ یہ ہر وقت بیان کی جاسکتی ہیں اور ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہیں۔

(تصریحات۔ ص ۲۴۴، ۲۴۵)

علم و علمائے دین اور اسلامی تحریکیں

جناب منیر احمد خلیلی صاحب

(۲)

علمِ دین قیادت و سیادت کے لیے معیار رہا ہے

علم نہ رکھنے والوں کے اتباع میں جو فتنے پوشیدہ ہیں انہی کے پیشِ نظر اسلام نے زمامِ قیادت تھامنے، منصبِ امامت و سیادت سنبھالنے اور خلافت کی ذمہ داریاں قبول کرنے والے کے علم و معرفت کو بنیادی اور اہم شرط قرار دیا ہے۔ اِس کی ہمارے فقہا نے وضاحت اور تفصیل پیش کی ہے۔ خلافتِ راشدہ تک فہم و تفقہ اور بصیرتِ دینی معیار رہی اور علم و معرفت ہی فضل و شرف اور اکرام و توقیر کی بنیاد متصور ہوتی رہی۔ بعد میں جب یہ معیار بدل گیا اور یہ بنیاد اُکھڑ گئی تو اُمت انتشار و افتراق میں پڑ گئی ظلم و زیادتی رواج پا گئی اور نظامِ اجتماعی میں سے خیر اُٹھ گیا۔ فتنے اور فساد جنم لینے لگے۔ دین اور دُنیا کی تقسیم کا بیج فرنگی استعمار نے آکر نہیں بویا، صدیوں پہلے مسلمان حکمرانوں نے خود یہ فلسفہ تراشا اور اِسے پھیلایا۔ سُلطان و خلیفہ اور عالم و فقیہ کی دُنیائیں جُدا ہوئیں۔ سلاطین و خلفاء من مانی کرنے لگے۔ علم اور علمائے دین کو بے وقار اور رُسوا کرنے کی کوششیں اقتدار کے ایوانوں سے ہوتی رہیں۔ فقیہانِ کرام اور علمائے عظام کے لیے بڑی بڑی سنگین سزائیں سرکارِ دربار سے سُنائی گئیں کیوں کہ فقہا اور علمائے حق حکمرانوں کی جاہلانہ حرکات اور خواہشاتِ نفس کے تابع فیصلوں پر مُہرِ تصدیق ثبت کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ علم سے خالی اور معرفتِ کردگار سے

محرومِ عنان گیروں کے جور و ستم کی داستان ہماری تاریخ کا بڑا المیہ باب ہے۔ ہماری دینی تحریکوں کو اس باب کا مطالعہ اپنے پیرو کاروں کے لیے لازمی قرار دینا چاہیے تاکہ علمِ دین کی حقانیتوں سے بے بہرہ پن کے مفاتن و مفاسد کا صحیح صحیح ادراک ہو سکے اور دینی معارف و علوم کی اہمیت ہمارے دلوں میں بیٹھ سکے۔

علمِ دین کی اہمیت و فضیلت —— کتاب اللہ اور احادیث نبوی کی روشنی میں

سید قطب شہید اپنی شہرۂ آفاق تفسیر فی ظلال القرآن جلد پنجم میں ایک مقام پر علم کے موثرات اور وظائف بتاتے ہیں۔ "علم حق معرفت و ادراک کا نام ہے۔ یہ چشم کشا اور بصیرت افروز ہوتا ہے۔ عالمِ موجودات کے ساتھ حقائقِ ثابتہ کا تعلق قائم کرتا ہے۔ یہ علم ذہن میں اُلجھاؤ اور فکر میں ژولیدگی پیدا کر دینے والی منتشر ایسی معلومات پر مشتمل نہیں ہوتا جن کا کائناتِ وسیع کے حقائق سے کوئی رشتہ نہ ہو اور جو معلومات محسوسات و ظواہر سے آگے دیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ علم حقیقی اور روشن معرفت کا راستہ رب کی فرماں برداری کی طرف لے جاتا ہے۔ اِس سے دِل میں احساس و شعور کی شمعیں روشن ہوتی ہیں۔ آخرت کے خوف سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اللہ کے فضل و رحمت سے آگاہی نصیب ہوتی ہے۔ یہ علم اللہ سے لَو لگانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ ایسی لَو جس کے لگنے کے بعد خوفِ الٰہی سے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں۔ عقل و شعور کو جلا ملتی ہے۔ یہ علم ہو تو اُس شے سے صحیح فائدہ اُٹھانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے جو انسان دیکھتا ہے یا جسے سُنتا ہے یا تجربے میں لاتا ہے۔ یہ علم چھوٹے مشاہدات سے گزارتا ہوا آگے عظیم اور ابدی حقائق تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ لوگ جو بکھرے ہوئے تجربات اور مشاہدات کے حدود ہی تک رُک جاتے ہیں۔ اور اُن کی نگاہ اِن سے آگے نہیں جاتی۔ وہ معلومات اکٹھی کرنے والے تو ہو سکتے ہیں عالم نہیں کہلا سکتے۔"

دینی تنظیموں اور اسلامی تحریکوں میں محض معلومات اکٹھی کرنے والے بھی بار پا جائیں، اس سے بھی نیچے فقط کتاب خوانوں کو بھی پذیرائی ملے، بلکہ وہ لوگ جو

علم و کتاب اور معرفت کے خزانوں سے سرے سے دلچسپی نہ رکھتے ہوں - وہ اپنی چرب زبانی اور چابکدستی سے اہمیت پا جائیں - ذمہ داریوں اور مناصب کے مستحق اور حامل ٹھہرنے لگیں اور صاحبانِ علومِ حقیقی پچھلی صفوں میں دھکیل دیے جائیں تو یہ نتائج کے اعتبار سے بڑی مہلک روش ہوگی - یہ لوگ جو علمی اشتغال رکھتے ہیں، حقیقتاً انبیاء کے وارث ہیں - ان کی فوقیت و فضیلت قرآن و حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے -

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا - اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر ہے"۔ (المجادلہ - ۱۱)

اسی طرح سورۃ الزمر آیت ۹ میں فرمایا:

"ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں، نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں"۔

جاننے والے یعنی عالم کی یہ خصوصیت کتابِ حکیم میں بیان ہوئی ہے کہ وہ مُطیعِ فرمان ہوتا ہے، رات کی گھڑیوں میں کھڑا رہتا ہے اور سجدے کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگاتا ہے - اُس کا یقین ہوتا ہے کہ یہ کائنات بے مقصد نہیں پیدا کی گئی - وہ اللہ کی نشانیاں دیکھ کر اُن سے نصیحت پکڑتا اور سبق حاصل کرتا ہے - وہ قرآن کی آیات اور مظاہر و مناظرِ فطرت پر جتنا غور کرتا ہے، اُس کا ایمان اُتنا ہی بڑھتا ہے -

احادیثِ نبوی جن میں علم اور علماء کے فضائل اور عظمت بیان کی گئی ہیں، تعداد میں اتنی زیادہ ہیں کہ اُن سب کا یہاں درج کرنا طوالت کے ڈر سے ممکن نہیں، تاہم خلاصے کے طور پر کچھ اہم باتیں درج کرنا ضروری خیال کرتے ہیں :- اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازنا چاہتا ہے اُسے علم و معرفت اور فہم و تفقہ دے دیتا ہے، اُس کی لائے

بخت، صاحب اور اُس کا مشورہ راست اور درست ہوتا ہے۔ منزل کی سمت اور راستے کے حالات، سفر کے تقاضے وہ سب جانتا ہے۔ سفر کے نتائج و ثمرات اور ضروریات و مقتضیات کا صحیح اور حقیقی درک رکھتا ہے۔

عبادات میں سے احسن و افضل عبادت تعلّم و تفقہ ہے اور دین کا اہم اور مقبول ترین جز ورع ہے۔ علم کی راہ جنت کی راہ ہے، نجات و فلاح کی راہ ہے۔ عالِم کے لیے کائنات کی ہر چیز یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔ عالِم کو عابد پر وہی فضیلت و برتری حاصل ہے جو چاند کو ستاروں پر ہے۔ علم انبیاء کا ورثہ ہے، انبیاء درہم و دینار ورثے میں چھوڑ کر اس دُنیا سے نہیں جاتے۔ اُن کی چھوڑی ہوئی متاع تو یہی علم ہے، جو اسے حاصل کرے وہ خوش نصیب ہے۔

علم کا سیکھنا خشیت ہے، اُس کی طلب عبادت، اس کا دُہرانا اور یاد رکھنا تسبیح اور علمی مباحث پر غور و فکر کرنا جہاد ہے۔ جو نہ جانتا ہو اُسے سکھانا صدقہ ہے۔ اہل اور قابل تک علم پہنچانا تقربِ الٰہی کا باعث بننے والی نیکی ہے۔ کیونکہ اس سے حلال و حرام کی پہچان ہوتی ہے۔ علم اہلِ جنت کی راہیں روشن کرتا ہے۔ دہشت اور پریشانی میں علم رفیق اور اجنبیت میں ساتھی ہے، تنہائی میں ہمکلام اور مشکلات و مصائب میں سہارا بنتا ہے۔ دشمن کے خلاف کارگر ہتھیار اور دوستوں کی محفل میں زینت و زیور ہے۔ اللہ تعالیٰ علم کے ذریعے اقوام کو اُٹھاتا اور اُنہیں قیادت اور رہبری کے منصب پر فائز کرتا ہے ــــ علم قلب کو جہالت کی موت سے بچاتا اور زندگی بخشتا ہے۔ آنکھوں کو منور کر کے ظلم کے کانٹوں سے بچنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ بندہ علم کے ذریعے اخیار اور صلحا کی منزلوں کو پا لیتا ہے۔ دُنیا اور آخرت دونوں میں علم سے اُونچے مرتبے حاصل ہوتے ہیں۔

علم میں تفکر صیام اور اسے دُہراتے رہنا قیام کا بدل بنتا ہے۔ یہ صلہ رحمی

(باقی بر صفحہ ۴۳)

امام محمد بن حسن الشیبانیؒ

جناب عبدالرشید عراقی صاحب

(۲)

اخلاق و عادات

انسان کے شرف کا اصلی معیار اخلاق و کردار ہے۔ امام محمد بن حسن اپنے اخلاق و عادات کے اعتبار سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے۔ نہایت صالح، خلیق، مہذّب اور ملنسار تھے۔ اُن کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ تمام عمر اُن کی زبان سے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچی۔ حلم و بردباری کا مجسم پیکر تھے۔ امام محمد بن ادریس شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

"میں نے امام محمد بن حسن جیسا حلیم آدمی نہیں دیکھا۔ وہ اپنے مزاج کے خلاف بات سن کر بھی برداشت کر جاتے تھے۔"[1]

امام محمد بہت فیاض بھی تھے۔ اپنے تلامذہ پر بہت رقم خرچ کرتے تھے۔ بذلہ سنجی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ان کی بذلہ سنجی کا ایک واقعہ ارباب سیر نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک مسجد گر گئی۔ لوگوں نے اس سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ) سے فتوٰی پوچھا۔ انہوں نے فرمایا۔ وہ مسجد کے حکم میں ہے۔ ایک روز امام محمد بن حسن اُدھر سے گزرے۔ مسجد پر نظر پڑی جو ملبے کا ڈھیر تھی۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ یہ ابو یوسفؒ کی مسجد ہے۔[2]

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات نووی

[2] تبع تابعین جلد ۱ ص ۱۳۰

امام محمد زہد و عبادت میں بھی بہت ممتاز تھے۔ دن کو درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور رات کو عبادت میں مصروف رہتے۔ آخرت کے خوف سے لرزاں رہتے تھے۔[۱]

علم و فضل امام محمد بن حسن کے صحیفۂ زندگی میں تمام انسانی اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے۔ لیکن علم و فضل کے نقوش ان میں بہت نمایاں تھے۔ امام محمد بن ادریس شافعی (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

> اگر مجھے امام محمد بن حسن کی صحبت نصیب نہ ہوتی تو مجھ پر علم کا دروازہ نہ کھلتا۔ وہ کسی مسئلہ پر تقریر کرتے تو ان کی فصاحت لسانی کی وجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ قرآن مجید اُن کی زبان میں نازل ہوا ہے۔[۲]

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل کئے ہیں۔ فرمایا کہ امام محمد بن حسن کی کتابوں سے۔[۳]

علمِ دین میں اخلاص اور اس کی ذمہ داری کا احساس اہل علم و فضل کی رُوح ہے۔

امام محمد بن حسن کے صحیفۂ زندگی میں یہ وصف بہت نمایاں تھا۔ دن کا زیادہ حصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوتا۔ رات کو عبادت میں مصروف رہتے اور بہت کم سوتے۔ لوگوں نے کم خوابی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

> "میں کیسے سو سکتا ہوں۔ جب عام مسلمان ہم پر اعتماد اور یہ خیال کرکے سو رہے ہیں کہ جب ہمارے سامنے کوئی معاملہ یا نیا مسئلہ پیش آئے گا تو وہ اس کو (امام محمد) کے پاس لے جائیں گے تو وہ اسے واضح

[۱] الجواہر المضیئہ جلد ۲ ص ۵۲۴۔
[۲] " " " ص ۵۲۹۔
[۳] تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۱۷۵۔

کر دیں گے۔ تو اگر میں سو جاؤں تو اس سے دین کا نقصان ہو گا۔"[1]

قرآن مجید کی تلاوت اور اس میں تدبر و تفکر اور استخراج مسائل قرآن مجید کے حافظ تھے۔ قرآن مجید کو تین دنوں میں ختم کرتے تھے۔ قرآن مجید میں تدبر و تفکر اور اس سے استخراج مسائل ان کی خصوصیت تھی۔ فرمایا کرتے تھے۔

استخرجت من کتاب اللہ نیفا و الف مسئلۃ[2]

"میں نے قرآن مجید سے ایک ہزار سے کچھ زیادہ مسئلے مستنبط کیے۔"

حدیث امام محمد بن حسن نے اس وقت کے تمام ائمہ حدیث سے سماع اور استفادہ کیا تھا۔ خصوصیت سے امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) کے روایات کے بہترین حافظ تھے۔ اور ان کی روایات کے لیے انہوں نے ایک خاص دن مقرر کیا ہوا تھا۔ امام اسد بن فرات (۲۱۳ھ) کا ایک قول علامہ عبد الحی بن العماد الحنبلی (م ۱۰۸۹ھ) نے شذرات الذہب میں نقل کیا ہے کہ:

"امام مالکؒ کی وفات کے بعد جس دن امام محمد ان کی مرویات کا درس دیتے تھے۔ اس دن اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ راستہ بند ہو جاتا تھا۔"[3]

حدیث و آثار میں ان کی وسعتِ معلومات کا صحیح اندازہ ان کی تصنیفات سے ہو سکتا ہے۔

قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو ترجیح امام محمد بن حسن قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو ترجیح دیتے تھے۔ بلوغ الامانی میں ہے کہ امام محمد فرمایا کرتے تھے۔

لولا ماجاء من الآثار کان القیاس ما قال

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۱۷۵

[2] ایضاً " "

[3] شذرات الذہب جلد ۲ ص ۱۷۵

اهل المدينه ولا كن له قياس مع اثر ولا ينبغي الا ان ينقاد الاثار[1]

"اگر حدیث و آثار سے ثابت نہ ہوتا تو قیاس کا فیصلہ وہی ہوتا جو اہل مدینہ کہتے ہیں۔ لیکن حدیث و اثر کی موجودگی میں قیاس کوئی چیز نہیں ہے۔ ہم کو صرف آثار ہی کی پیروی کرنی چاہیے"۔

فقہ امام محمد کی شہرت اور ان کا اصلی شرف و امتیاز فقہ ہے۔ امام محمد عراق میں فقہ کے حامل و ناشر تھے۔ اور عراق میں تنہا اقلیم فقہ کے تاجدار تھے۔ امام شافعی (م ۲۰۴ھ) نے ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ امام مالک (م ۱۷۹ھ) کے شاگرد امام اسد بن فرات (م ۲۱۳ھ) جن کا فقہ مالکی کی ترویج و اشاعت میں بہت بڑا حصہ ہے۔ ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔

علامہ عبد القادر بن احمد القرشی (م ۷۷۵ھ) نے الجواہر المضیئہ میں لکھتے ہیں کہ امام محمد بن ادریس شافعی (م ۲۰۴ھ) فرمایا کرتے تھے کہ

"میں نے امام محمد بن حسن جیسا فقیہہ نہیں دیکھا۔ میں فقہ میں ان کا سب سے زیادہ ممنون ہوں[2]"

علامہ کوثری نے بلوغ الامانی میں امام شافعی کا ایک اور قول نقل کیا ہے کہ

"میں نے فقہاء میں امام محمد جیسا فقہ میں بصیرت رکھنے والا کسی کو نہیں پایا۔ جن مسائل کے اسباب علل و تلاش سے اکابر عاجز رہ جاتے تھے۔ وہ ان مسائل کو آسانی سے حل کر دیتے تھے[3]"

تفریع مسائل تفریع کا مطلب یہ ہے کہ مستنبط مسائل کی علت منتزکہ تلاش کر کے

---

[1] بلوغ الامانی ص ۲۴

[2] الجواہر المضیئہ جلد ۲ ص ۲۷

[3] بلوغ الامانی ص ۵۵

اُس کی روشنی میں دوسرے مسائل پیدا کیے جائیں۔ امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) نے جس فقہ کی تخم ریزی کی تھی۔ اس کی آبیاری اور نشوونما میں تین ائمہ کرام، امام ابویوسفؒ (م ۱۸۲ھ)، امام محمد بن حسن (م ۱۸۹ھ) اور امام زفرؒ (م ۱۵۸ھ) نے خاص طور پر حصّہ لیا۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کی خصوصیت جدا تھی۔ امام ابوبکر خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) نے تاریخ بغداد میں امام مزنی (م ۲۶۴ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

ابوحنیفہ سیدھم وابویوسف اتبعھم للحدیث
ومحمد بن حسن اکثرھم تفریعا وزفر احدھم قیاساً [1]

امام ابوحنیفہ اہلِ عراق کے سردار ہیں۔ امام ابویوسف ان میں سب سے زیادہ حدیث ہیں۔ اور امام محمد نے ان سب سے زیادہ مسائل کی تفریع کی ہے۔ امام زفر سب سے زیادہ قیاس تھے۔

تفریع مسائل ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ اس کے لیے دینی علوم میں تبحر، ادب و لغت سے واقفیت اور غیر معمولی ذہانت کی ضرورت ہے۔ امام محمد بن حسن میں یہ تمام خصوصیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

تصنیفات | امام محمد بن حسن صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے۔ تاہم ان کی جو تصانیف مشہور و معروف ہیں، اُن کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے۔

مؤطائے امام مالکؒ | دوسری صدی ہجری کے جتنے مجموعے تیار ہوئے، ان میں ترتیب و تدوین کے لحاظ سے مؤطا امام مالکؒ سب سے زیادہ جامع اور اہم ہے اور قرآن مجید کے بعد باقاعدہ فقہی ترتیب سے مبوب و مرتب ہو کر منصۂ شہود پر آئی اور وثوق و اعتبار سے تمام کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ محی السنۃ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ) نے امام ابوزرعہ کا یہ قول نقل

[1] تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۱۷۶۔

کیا ہے:

وایں وثوق و اعتماد بر کتب دیگر نیست[1]

"یہ مجموعہ (موطا امام مالک) وثوق و اعتماد میں تمام کتابوں میں فوقیت رکھتا ہے"۔

یہی وجہ تھی کہ تمام عالم اسلام تشنہ کامانِ حدیث امام مالک (م ۱۷۹ھ) کے خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور موطا کا سماع کرتے تھے اور اکثر اہلِ علم امام مالکؒ سے جو سنتے تھے، احاطہ تحریر میں لاتے تھے — ظاہر ہے کہ ہر شخص کی تحریر و سماع میں کچھ نہ کچھ فرق ہوتا تھا۔ اس وجہ سے موطا امام مالک کے متعدد نسخے تیار ہو گئے۔ اور ہر صاحب نے اپنے حلقہ میں اپنے ہی نسخہ کو رواج دیا۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے موطا امام مالک کے ۱۶ نسخوں کا ذکر کیا ہے[2] مگر سب سے مشہور و متداول نسخہ امام یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی (م ۲۳۴ھ) کا ہے۔ اسی نسخہ کی شرح علامہ ابو الولید الباجی (م ۴۷۴ھ) علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) اور امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے لکھی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی یہی نسخہ متداول ہے۔

موطا امام محمدؒ | موطا امام محمد بھی امام یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کے موطا کی طرح بہت سی خصوصیات کا حامل ہے۔ امام محمدؒ امام مالکؒ کی خدمت میں تین سال تک رہے۔ مولانا عبد الحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) نے التعلیق الممجد علیٰ موطا امام محمد کے مقدمہ میں تفصیل سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً

"امام یحییٰ بن یحییٰ کے روایت کردہ موطا میں کثرت سے مسائل فقہیہ اور امام مالک کے اجتہادات مذکور ہیں۔ بہت سے تراجم ابواب ایسے ہیں جن کے تحت کوئی حدیث نہیں ہے۔ لیکن موطا امام محمد کی یہ خصوصیت

---

[1] اتحاف النبلا ص ۱۲۵ — [2] بستان المحدثین ص ۔۔

ہے کہ کوئی ترجمہ ایسا نہیں ہے جس کے تحت مرفوع یا موقوف روایت نہ ہو۔ اور ظاہر بات ہے کہ حدیث کی جس کتاب میں رائے و اجتہاد کا شمول ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں حدیث کی وہ کتاب جو نفسِ حدیث پر مشتمل ہوگی۔ اُس کو ضرور افضلیت حاصل ہوگی۔"[1]

موطا امام محمد میں احادیثِ مرفوعہ اور موقوفاتِ صحابہؓ۔ مثلاً مرسل روایات کی مجموعی تعداد ۱۱۸۵ ہے، جس میں ۱۰۰۵ تو امام مالکؒ سے اور ۱۷۵ دوسرے طریق سے جن میں ۱۳ تو امام ابوحنیفہؒ سے اور ۴ امام ابویوسفؒ اور بقیہ دیگر حضرات سے مروی ہیں۔[2]

کتاب الآثار حدیث و آثار میں یہ امام محمد بن حسن کی دوسری تصنیف ہے۔ اس میں حدیث کی تعداد کم ہے۔ آثار صحابہ اور اقوال تابعین زیادہ ہیں۔ اس وجہ سے اس کا نام کتاب الآثار رکھا گیا ہے۔ اس میں احادیث، آثار صحابہ اور اقوالِ تابعین کی تعداد اس طرح ہے۔ احادیث ۶۶ اور آثارِ صحابہ و اقوالِ تابعین ۸۱۷، ان کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) اور امام محمد (م ۱۸۹ھ) کے اقوال بھی شامل ہیں۔ یہ کتاب مطبوع ہے۔

مبسوط یہ کتاب اسم بامسمیٰ ہے۔ اور امام محمد کی سب سے زیادہ ضخیم کتاب ہے۔ اس میں دس ہزار سے زیادہ مسائل ہیں۔ مسائل کے بیان میں عموماً آثار و احادیث سے بھی مدد لی ہے۔ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

الجامع الکبیر فقہ میں یہ امام محمد کی دوسری تصنیف ہے۔ اس میں بہت سے اہم اور نادر مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ اور یہ کتاب روایت اور درایت دونوں کا بہترین مجموعہ ہے۔ اسلام میں فنِ فقہ پر ایسی اچھی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔

[1] مقدمہ التعلیق الممجد علی موطا امام محمد
[2] ایضاً ص ۳۹

الجامع الصغیر فقہ میں امام محمد کی یہ تیسری تصنیف ہے۔ اس کتاب میں ۱۵۳۲ مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں صرف دو مسئلوں کا حل قیاس سے کیا گیا ہے۔ بقیہ تمام کا ماخذ حدیث نبوی و آثار سلف ہیں مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۷ھ) نے اس کا علمی و تحقیقی اور جامع حاشیہ لکھا ہے۔ اور اس کا ایک علمی مقدمہ "النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر" کے نام سے لکھا ہے۔

السیر الصغیر یہ امام محمد کی فقہ میں چوتھی کتاب ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ) نے اپنے شاگردوں کو سیر و مغازی پر جو املا کرایا تھا۔ امام محمد نے اس میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا رد امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) نے لکھا۔ امام ابویوسف (م ۱۸۲ھ) نے امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) کی کتاب کا جواب الرد علی السیر الاوزاعی کے نام لکھا۔

السیر الکبیر یہ امام محمد کی امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) کے کتاب کے جواب میں ہے۔ اور اس کے ساتھ اس میں جہاد و قتال، صلح و جنگ کے طریقے، اس کے مواقع، دوسری قوموں سے مسلمانوں کے تعلقات اور تجارت اور اسلام میں ان کے حقوق اور دوسرے معاملات پر بحث کی گئی ہے۔

تحریکِ اسلامی کے اخلاقی تقاضے

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

اسلام خود ایک تحریک بن کر آیا تھا اور اسلامی دعوت کے ہر دور میں اس نے ایک تحریک کی مانند ہی کام کیا۔ آج بھی جب اسے غالب کرنے کا سوال سامنے آتا ہے تو درحقیقت وہ اسلام کو تحریک بنا کر ازسرِنو اُٹھانے، اُبھارنے اور پھر قوت کے ساتھ غالب کرنے کا سوال ہی ہوتا ہے اور اس سوال کا جواب ایک فعّال اسلامی تحریک ہی ہوتی ہے۔

تحریک ایک مسلسل عمل اسلام ایک نظامِ زندگی ہے اور کسی نظامِ زندگی کے غلبے کا تقاضا ہی یہ ہوتا ہے کہ اُسے غالب کرنے کے لیے ایک تحریک اُٹھائی جائے اور وہ تحریک اس کے غلبہ تک مسلسل اور پیہم حرکت میں رہے۔ وہ اپنے دامن میں نئے سے نئے افراد کو متنوع، اعلیٰ اور مختلف صلاحیتوں کے ساتھ سمیٹتی رہے، جو صلاحیتیں پھر وہ اس نظام کے غلبے کے لیے استعمال کریں اور جب تک اسلام کو کلی غلبہ حاصل نہ ہو جائے اُس وقت تک نہ تحریک دھیمی پڑے نہ جذبہ ٹھنڈا ہو۔ نہ نئے افراد کا آنا کم ہو، نہ پُرانے لوگوں میں جمود آئے اور نہ تحریک کے توبہ توپروگراموں اور پیش قدمیوں میں کوئی کمی واقع ہو۔ اس لیے کہ تحریک کے لیے توبہ توپروگرام بنانا اس کا آگے ہی آگے پیش قدمی کرنا۔ اس میں نئے آنے والوں کی تربیت کر کے انہیں اخلاقی اور علمی سطح پر تحریک کے معیار کے مطابق بنانا اور ان سے کام لینا ایک انتہائی ناگزیر

کام اور تحریک کی زندگی کی علامت ہے۔ اگر یہ کام ہو رہا ہو اور ہوتا رہے تو تحریک نہ صرف اس نظام کے غالب آنے تک مسلسل فعال، متحرک اور جاندار رہتی ہے بلکہ اس نظام کے غالب ہونے کے بعد بھی اس نظام کو اس کی اصلی صورت میں چلانے، اس کی مخالف قوتوں کو سرنگوں کرنے اور اس کے اندر پیدا ہونے والی خرابیوں کو رفع کرنے کا اہتمام جاری رہتا ہے جس سے ایک پائیدار نظام وجود میں آتا ہے۔

کسی تحریک کی یہ ایک بہت بڑی بدقسمتی ہوتی ہے کہ مقصد کے حصول سے اور نصب العین پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ غیر فعال ہونے لگے اور اس کے ساتھ کام کرنے والے اعضاء مجروح اور اس کے اجتماعی ادارے تساہل کا شکار ہونے لگیں۔ تحریک ایک جوائنٹ سٹاک کمپنی کی مانند ہوتی ہے جس میں بے شمار افراد کا سرمایۂ حیات لگا ہوا ہوتا ہے اس کا نقصان کسی ایک فرد کا نقصان ہی نہیں تحریک سے وابستہ سارے افراد کا نقصان بلکہ اس معاشرے اور قوم کا اجتماعی نقصان ہوتا ہے اور یہ نقصان بھی دو نسلوں پر پھیلا ہوا ہوتا ہے اس لیے کسی تحریک کو ضرور کامیاب ہونا چاہیے ورنہ انسانی معاشرہ تحریک کی ناکامی کی صورت میں اس نقصان کا خمیازہ صدیوں تک بھگتتا رہتا ہے اور جو لوگ اپنی بے بصیرتی، کوتاہ اندیشی یا کوتاہ نہی سے اس کی ناکامی کا باعث بنے ہوتے ہیں۔ انسانیت کی تاریخ ایسے لوگوں کو ناقابلِ معافی مجرموں کی حیثیت سے اپنے چوراہے پہ مستقل لٹکا دیتی ہے۔ اس لیے کسی تحریک کا غیر فعال ہونا جو اس کی ناکامی کا ہی ایک رُخ اور اس کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ بہت بڑا اخلاقی اور تاریخی نقصان ہوتا ہے اور جو لوگ بھی اس نقصان کا باعث بنتے ہیں وہ عنداللہ اور عندالناس دونوں جگہ ضرور ہی قابلِ مواخذہ قرار پاتے ہیں۔

تعلق باللہ میں کمی | ایک اسلامی تحریک میں غیر فعالیت کے اسباب میں سب سے بڑا اور اولین سبب اجتماعی اور انفرادی سطح پر تعلق باللہ میں زبردست کمی کا واقع ہونا ہے۔ تعلق باللہ میں کمی کا مسئلہ محض اخلاقی پہلو ہی نہیں بلکہ زبردست تحریکی پہلو بھی رکھتا ہے۔ اقامتِ دین کا کام آخر کس کا کام ہے؟ اسلام جو دینِ حق ہے، اسے غالب کرنے

کا حکم آخر کون دیتا ہے۔ یہ دینِ حق پوری کائنات کا حقیقی بادشاہ کسے قرار دیتا ہے جس کے قوانین کا اجرا ضروری ہے؟ پھر اس کام کا اجر دینے والا کون ہے؟ کون اس کام میں مدد دینے والا ہے؟ ایک اسلامی تحریک کے لوگ سب مل کر کس کے لیے یہ کام کرتے ہیں اور کسے خوش کرنا چاہتے ہیں؟ معاملے کا یہ پہلو نہایت ہی اہم ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ:

"اللہ ضرور ہی ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔"

اللہ کی مدد کس کام میں۔ اللہ کا وہ کونسا کام ہے جس کے لیے وہ اپنے بندوں کو مدد کے لیے پکارتا ہے تاکہ انہیں آزمائے بھی اور اجر بھی دے اور اس ذریعے سے ان کی دُنیا کی زندگی میں معنی و مفہوم پیدا کرے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کا یہ کام اس کے دین کے غلبے کا ہی کام ہے۔ اور اس کام میں مدد کرنا گویا اس کے اپنے ارشاد کے مطابق اللہ کی مدد کرنا ہے۔ اس امر سے کون بے خبر ہے کہ اسلامی تحریک کا پلیٹ فارم اللہ کے اس کام کو ہی سرانجام دینے کے لیے قائم کیا جاتا ہے اور جو شخص اس کام میں کوتاہی کرتا ہے، اس سے پہلوتہی کرتا ہے اور عذر و معذرت اور بہانہ جوئی کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ کے اس کام میں ہی یہ سب کوتاہیاں کر رہا ہے۔ یہی سب سے بڑا ثبوت اس بات کا ہے کہ اس کا تعلق اپنے رب کے ساتھ بہت کمزور ہو گیا ہے جسے مضبوط کرنے کا ذریعہ تسبیح و تہلیل سے کہیں زیادہ یہ ہے کہ وہ میدانِ عمل میں آکر اسلامی تحریک کا فعّال کارکن بنے اور اپنی آخرت کی زندگی میں رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے اپنی دُنیا کی زندگی میں رضائے الٰہی کے راستے پر گامزن ہو۔

یہ بات کہنا تو بہت آسان ہے کہ میرا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے اور ایک مسلمان کے لیے تو یہ بات ایک روزمرہ کا معمول ہے لیکن ـــ

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ

زبان سے کہنا اور واقعی یکسو ہو کر اپنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے وقف

کر دینا اور اس کے راستے میں لگا دینا اور اپنی زندگی کے لیے صرف قوت لایموت رکھ کر باقی سب کچھ رفاقتِ الٰہی کے حصول کے لیے اس کے کام پر نچھاور کر دینا ایمان باللہ کا حقیقی اور عملی مظاہرہ ہے اور یہ کام جس نسبت سے ہو اور کسی کی طرف سے جس درجے میں اس کا عملی مظاہرہ ہو اس کا اپنے اللہ سے تعلق اسی درجے میں مضبوط اور مستحکم ثابت ہوگا۔

اللہ کے کام کے لیے اُٹھنا اور پھر جانی و مالی اور جسمانی آزمائشوں کے سامنے آنے پر دائیں بائیں دیکھنا یہ اللہ کے جاں نثار بندوں کا کام نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آزمائشوں کا دکھاوا بھی صرف بندے کے اجر میں اضافہ کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے ورنہ یہ بار بار کا مشاہدہ ہے کہ بندے کے ظرف کو ناپ تول کر بلکہ اس سے بھی کم ہی آزمائش لائی جاتی ہے۔ اور اس دوران بھی اس کی دست گیری اور ثابت قدمی و استقامت کا اس طرح پورا پورا اہتمام کیا جاتا ہے جیسے ماں بچے کو انگلی پکڑ کر چلاتی ہے اور اگر وہ لڑکھڑاتا ہے تو اسے اپنی گود میں اُٹھا لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یقیناً ان لوگوں پر جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب تو اللہ ہے اور پھر اس قول پر پوری طرح جمے رہے، فرشتے یہ پیام لے کر اُترتے ہیں کہ نہ تمھیں کسی شے کا ڈر ہونا چاہیے اور نہ کسی چیز کا غم ہونا چاہیے اور اس جنت پر خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے"۔

اس تعلق کو قائم کرنے کے بعد اسے مضبوط بنانے اور مستحکم تر کرنے کے لیے ایک بیدار و باشعور اور حساس ایمان کی ضرورت ہے جو اللہ کے احسانات کا شعوری احساس رکھتا ہو، اسے اللہ کی صفات الوہیت و ربوبیت کا ہمہ پہلو ادراک ہو اور اپنی کوتاہیوں کے مقابلے میں اس کی رحمتوں اور نوازشوں کی وسعتوں کا تصور کر کے وہ پانی پانی ہو جائے۔ اور اس کے احسانات کے بوجھ تلے اپنا رونگٹا رونگٹا دبا ہوا محسوس کرے۔ یہ احساس و شعور مطالعہ قرآن و حدیث اور فرائض کے ساتھ نفل

عبادات کے اہتمام سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

مایوسی اور قنوطیت تحریک میں جوش و خروش کے ساتھ شمولیت کے بعد بتدریج جوش ٹھنڈا پڑتے چلے جانے کا ایک سبب مایوسی اور قنوطیت بھی ہوتی ہے یعنی اس کام کی دُنیوی کامیابی کی طرف سے مایوسی اور اس مایوسی کے سبب قدرتی عمل میں تاریخی اضمحلال اور افسردگی۔ یہ صورتِ حال انسان کے ارادے کی کمزوری کا نشان ہوتی ہے۔ یہ شخص جس عزم کے ساتھ تحریک میں آیا تھا۔ اب وقت کے بوجھ، کام کے یکساں تسلسل اور منزل کی دُوری نے اسے تسکان سے دوچار کر دیا ہے۔ اور اب اس کے لیے اسی جذبہ و شوق کے ساتھ آگے بڑھنا مشکل ہو گیا ہے وہ اس راستے پر چلنے چلے جانے کو عبث سمجھنے لگتا ہے جس راستے پر اسے منزل کا نشان دُور دُور تک نظر نہیں آتا۔ اور غلبۂ اسلام کی جو منزل اُس نے اپنے ذہن میں رکھی تھی، اُس کی دُوری کے سبب اس کے قدم سست پڑنے لگتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے ایک مضمون میں اس کیفیت کا بہت خوبی سے تجزیہ کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

"انسان ایک تحریک کی دعوت سُن کر اُسے صدقِ دل سے لبیک کہتا ہے اور اوّل اوّل خاصا جوش دکھاتا ہے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُس کی دلچسپی کم ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اُسے نہ اس مقصد سے حقیقی لگاؤ باقی رہتا ہے جس کی خدمت کے لیے وہ آگے بڑھا تھا اور نہ اس جماعت کے ساتھ کوئی عملی وابستگی باقی رہتی ہے جس میں وہ دلی رغبت کے ساتھ شامل ہوا تھا۔ اس کا دماغ بدستور ان دلائل پر مطمئن رہتا ہے جن کی بنا پر اُس نے تحریک کو برحق مانا تھا۔ اس کی زبان بدستور اس کے برحق ہونے کا اقرار کرتی رہتی ہے۔ اس کے دل کی بشارت بھی یہی رہتی ہے کہ یہ کام کرنے کا ہے اور ضرور ہونا چاہیے، لیکن اس کے جذبات

نہایت سرد پڑ جاتے ہیں اور قوت عمل کی حرکت سست ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس میں کسی بدنیتی کا ذرہ برابر بھی دخل نہیں ہوتا۔ مقصد سے انحراف بھی نہیں ہوتا۔ نظریے کی تبدیلی بھی قطعاً واقع نہیں ہوتی، کسی وجہ سے آدمی جماعت کو چھوڑنے کا خیال بھی نہیں کرتا۔ مگر بس وہ ارادے کی کمزوری ہوتی ہے جو ابتدائی جوش ٹھنڈا ہو جانے کے بعد مختلف شکلوں میں اپنے کرشمے دکھانا شروع کر دیتی ہے۔"

اور ارادے کی اس کمزوری کے پیچھے بالعموم وہ مایوسی اور قنوطیت بھی ہوتی ہے جو مختلف اسباب کی وجہ سے دل میں گھر کرتی ہے۔ مایوسی اور قنوطیت شیطان کا وہ حربہ ہے جو سید ھا دل پر وار کرتا ہے اور انسان کی قوتِ عمل اور جوشِ کردار کو معطل کر کے رکھ دیتا ہے۔ ابلیس جو مایوسی کا نشان ہے اگر مومن کو برائی کے راستے پر نہیں لے جا سکتا تو اسے نیکی کے راستے پر پُر جوش تگ و دو سے روک دیتا ہے یہی اس کی بہت بڑی کامیابی ہوتی ہے کہ اس کے مایوسی کے وار سے راہ حق میں لڑنے والی فوج کا ایک سپاہی زخمی ہو جائے اور دین کے محاذ پر معطل ہو کر کاروبارِ دنیا میں کھو جائے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مایوسی کس سے ہے؟ اگر یہ کام خدا کا ہے تو کیا اُس کے اجر سے مایوسی ہے یا اُس کی ہمہ پہلو قدرت اور تقدیر کی ہمہ گیری سے مایوسی ہے؟ کیا اس کے انصاف و عدل سے مایوسی ہے؟ کیا اس کی پلاننگ اور اس کی مشیت سے مایوسی ہے؟ کیا اپنے کیے ہوئے کام کی قدر افزائی اور اُس کی کما حقہٗ انجام دہی پر انعام و اجر کی طرف سے مایوسی ہے؟ سوچ کر بتایا جائے کہ آخر یہ مایوسی کس چیز کی ہے؟ کیا دینِ اسلام کا غلبہ کوئی ٹھیکے کا کام ہے؟ جس کی عدم تکمیل پر پورا معاوضہ نہ ملنے کا خطرہ ہے یا یہ کسی کم استطاعت رکھنے والے مالک کا کام ہے، جو شاید حسبِ حیثیت کارکردگی کا معاوضہ دینے سے قاصر ہے؟ یہ مایوسی ایک بے دلیل، بے سبب، بے معنی، قلبی انحطاط و جمود کا نام ہے۔ ایک ایسی مایوسی اور

قنوطیت کی کیفیت جو صرف شیطان کی کارستانی سے ہی وجود میں آسکتی ہے اور جس پر ایک مردِ مومن کو لاحول پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے راستے پر آگے بڑھ جانا چاہیے۔

قرآن کے نشان کردہ عوامل اضمحلال وانحطاط | قرآن نے بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں رکاوٹوں اور اس کے دین کے لیے جدوجہد کے راستے سے روکنے والے عوامل اور اسبابِ جمود کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کا الگ الگ نام لے کر نشان دہی کی ہے۔ فرمایا ہے: ترجمہ:

ترجمہ: "اے نبیؐ! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کما لیے ہیں اور تمہارے کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو بہت پسند ہیں، تم کو اللہ اور رسولؐ اور اس کی راہ کی جدوجہد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ تمہارے سامنے آجائے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔"

یہ ہیں وہ عوامل جو اللہ کی راہ میں اٹھنے والی اسلامی تحریک کے ساتھ وابستہ ہونے کے بعد ایک مردِ مومن کی کمر کا بوجھ اس کے ہاتھوں کی ہتھکڑی، اس کے پاؤں کی بیڑی اور اس کے نصب العین کے راستے میں بادِ گراں بننے کا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں۔

۱۔ رشتہ و ناطہ = (باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، و دیگر عزیز و اقارب)

۲۔ مال و دولت = (جو انسان نے کما لیا ہے)

۳۔ کاروبار و تجارت = (اپنی عدم توجہی سے ان کے ماند پڑنے کا ڈر۔

۴۔ پُرتکلف رہائش گاہیں = (جو انسان کو بہت پسند ہوتی ہیں)۔

یہ وہ چار چیزیں ہیں جو انسان کو شعور کے ساتھ کسی اسلامی تحریک کا کارکن بننے کے بعد بھی اپنے اندر مبتلا کر کے اسے اضمحلال کا شکار کر دیتی ہیں۔ (باقی)

احیائے اسلام اور نفاذِ شریعت

(اِس مہم کی طولانی جدوجہد کے سنگِ میل)

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

اسلامی شریعت کے خلاف منفی اقدامات:

۱۷۵۷ء — جنگِ پلاسی - بنگال میں انگریزی حکومت کا قیام۔

۱۷۹۱ء — گورنر جنرل بنگال لارڈ کارن ورلس نے حدود اللہ شریعتِ اسلامی کا خاتمہ کر دیا۔

۱۸۰۳ء — شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے دیا۔

۱۹۲۴ء — مصطفےٰ کمال پاشا نے قدیم سے قائم شدہ ادارہ "خلافت" کا خاتمہ کر دیا۔

ان اقدامات کے خلاف مسلح جدوجہد:

۱۷۶۱ء — ۱۷۸۴ء — مجنون شاہ مستانہ میواتی نے اپنے مریدوں کے ساتھ بنگال جا کر ۲۴ سال تک جہاد جاری رکھا۔

۱۸۱۸ء — ۱۸۶۱ء — حاجی شریعت اللہ فرائضی نے جہاد جاری رکھا - ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے دودو میاں نے جہاد جاری رکھا - بنگال میں۔

۱۸۲۸ء — ۱۸۳۱ء — سید احمد شہید نے سکھوں کے خلاف پٹھانوں کی حمایت میں

ہزارہ سرحد میں جاکر جہاد شروع کیا۔

۱۸۳۵ء — پھر ان کے خلیفہ سید نصیر الدین دہلوی نے سکھوں کے خلاف اور مزاری بلوچوں کی حمایت میں جہاد کیا۔ بعد میں وہ بھی ستھانہ کیمپ سرحد چلے گئے تھے۔

۱۸۶۸ء — ۱۸۶۲ء — پھر ان کے دوسرے خلیفہ مولانا ولایت علی صادق پوری بہاری نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔ ستھانہ کیمپ۔ بونیر۔

۱۹۲۲ء — ۱۹۱۸ء — خلافت تحریک کے زمانہ میں مسلمانوں نے جیلوں کو بھر دیا اور ہجرت کی۔ پہلے افغانستان پھر عراق میں۔

جد وجہد کرنے والے یہ سب لوگ علماء تھے، عوام تھے، کوئی بھی ان میں بادشاہ نہ تھا۔

اِن اقدامات کے خلاف سیاسی جد وجہد:

۱۹۰۶ء — قیامِ مسلم لیگ ڈھاکہ، خطبۂ صدارت نواب وقار الملک۔

"صاحبو! ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے دل میں اس بات پر غور کرے کہ جب برٹش حکومت نہیں ہوگی، اُس وقت ہماری حالت یہ ہوگی کہ ہمارا مال ہماری جان، ہماری آبرو، ہمارا مذہب سب خطرے میں ہوگا۔ اُس وقت ہم کو ان لوگوں کا محکوم ہونا پڑے گا جو صدہا برس بعد اورنگ زیب کا بدلہ ہم سے لینا چاہتے ہیں۔"

۱۹۲۱ء — خلافت تحریک۔ بیان مولانا محمد علی جوہر۔ مقدمہ بغاوت کراچی۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۲۱ء

"میں صرف اللہ تعالیٰ کو بادشاہ مانتا ہوں۔ اور کسی کو بادشاہ نہیں مانتا۔"

۱۹۳۰ء — سالانہ اجلاس مسلم لیگ، خطبۂ صدارت ڈاکٹر محمد اقبال۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۳۰ء

"اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت تمدنی قوت کے زندہ رہے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایک مخصوص خطہ میں اپنی مرکزیت قائم کریں۔"

۱۹۴۰ء ــــ قرارداد پاکستان ۔ سالانہ اجلاس مسلم لیگ ۔ لاہور ۔ ۲۳ / مارچ ۱۹۴۰ء
"یہ کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور جنوب مغربی علاقوں میں جہاں تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں کی اکثریت ہے، انہیں خودمختار ریاستیں قرار دیا جائے"۔

۱۹۴۲ء ــــ سالانہ اجلاس مسلم لیگ ۔ خطبۂ صدارت محمد علی جوہر ۔ دہلی ۔
"ہمارا مقصد کرۂ زمین پر ایک ملک کا اضافہ کرنا نہیں ہے ۔ بلکہ ایک ایسی فلاحی ریاست کا قیام مقصود ہے جس میں اسلام کے عالمگیر فلاحی اصولوں کے مطابق ایک معاشرہ قائم کر کے انسانوں کو اسلام کی برکات سے مستفید کر سکیں"۔

۱۹۴۴ء ــــ سالانہ اجلاس مسلم لیگ ۔ خطبہ نواب بہادر یار جنگ حیدرآبادی ۔
"ہمارے پنڈال سے وہ لوگ اٹھ جائیں جو خدا کے انکار پر اپنے معاشی نظام کی بنیاد رکھتے ہیں ۔ قرآن کے واضح اور اٹل احکام میں تحریف اور اضافہ کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں ۔ جو روٹی اور کپڑے کے بدلے مسلمانوں کا ضمیر اور ایمان خریدنا چاہتے ہیں"۔

۱۹۴۵ء ــــ قرارداد ۔ آل انڈیا جمعیت العلمائے اسلام ۔ تاسیسی اجلاس منعقدہ ۲۶ ــ ۲۹ / اکتوبر ۱۹۴۵ء ۔ بمقام کلکتہ ۔ بصدارت علامہ شبیر احمد عثمانی ۔
"یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا سیاسی اور دینی نصب العین عالمگیر خلافتِ اسلامی علیٰ منہاج نبوت کی تاسیس ہے ۔ اور شریعت اسلامیہ کے نظام کا قیام ہے"۔

۱۹۴۷ء ــــ جمعہ ۔ لیلۃ القدر ۔ ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کی شب کو پاکستان وجود میں آیا ۔
۱۴/ اگست کو کراچی میں پاکستان کا جھنڈا قائداعظم کے حکم سے علامہ شبیر احمد عثمانی نے لہرایا ۔ اور ڈھاکہ میں پاکستان کا جھنڈا قائداعظم کے حکم سے علامہ ظفر احمد عثمانی نے لہرایا ۔

۱۹۴۹ء — قراردادِ مقاصد۔ منظور شدہ دستور ساز اسمبلی پاکستان ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء
اس میں اللہ تعالیٰ کی تشریعی حاکمیت اور بندوں کی اطاعت کا واضح اعلان ہے۔
قرآن و سنت کی بالادستی کا واضح اعلان ہے۔ یہ قرارداد متفقہ طور پر
منظور ہوئی تھی۔

۱۹۵۱ء — معروف اسلامی فرقوں کے مستند ۳۱ علماء کرام نے کراچی میں جمع ہو کر
دو روز بحث مباحثہ کر کے اسلامی سیاست و حکمرانی سے متعلق ۲۲ اُصول
متفقہ طور پر منظور کیے۔ یہ دستاویز اسلامی دستور کی بنیاد بنی۔ اسلامی
تاریخ میں یہ واحد مثال ہے کہ تمام فرقوں کے بزرگ علماء ایک جگہ جمع
ہوئے اور انہوں نے ایک دستاویز پر اتفاق رائے کیا۔

۱۹۵۶ء — دستور ساز اسمبلی نے اسلامی دستور منظور کیا۔ ملک کا نام "اسلامی
جمہوریہ پاکستان" رکھا گیا۔

۱۹۶۲ء — جنرل ایوب خاں نے مارشل لاء نافذ کر کے جمہوری دستور کو ختم کیا
اور اپنا دستور نافذ کیا۔ جس میں مملکت کا نام تبدیل کر دیا۔ اور بنیادی حقوق
بھی خارج کر دیئے۔ اس کے خلاف عوامی احتجاج کا سیلاب اُٹھا۔ اور
ایوب خاں کو اپنے دستور میں مطلوبہ ترمیمات قبول کرنا پڑیں۔

۱۹۶۵ء — ایوب خان نے کراچی کو ترک کر کے نیا دارالحکومت راولپنڈی کے
پاس بنایا۔ عوامی دباؤ کے تحت اس کا نام اسلام آباد رکھا گیا۔

۱۹۶۹ء — بھٹو کے سوشلزم کا علماء نے مقابلہ کیا۔ ایک ہزار علماء کے دستخطوں
سے سوشلزم کے خلاف ایک طویل اشتہار ملک کے تمام شہروں کی دیواروں
کی زینت بنا۔ جس نے ہوا کا رُخ پھیر دیا۔

۱۹۷۳ء — ۱۹۷۳ء میں مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بھٹو نے نیا دستور دیا۔ سخت
جدوجہد کے بعد اسلامی دفعات اور بنیادی حقوق اس میں شامل کرائے
گئے۔ کوثر نیازی نے مسلمان کی تعریف کا شگوفہ چھوڑا۔ علماء نے بروقت

جواب دے کر خاموش کر دیا۔

۱۹۷۴ء ــــ دونوں اسمبلیوں نے اپنے مشترکہ اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ (۷ راپریل) اس طرح نوّے سالہ تنازعہ کا خاتمہ ہوگیا۔

۱۹۸۵ء ــــ جنرل ضیاء الحق نے قرارداد مقاصد کو متنِ دستور کا حصّہ بنا دیا ــــ اب تک یہ تمہید کا حصّہ تھی۔ اب اس کی قانونی حیثیت قائم ہو گئی۔

۱۹۸۵ء ــــ ۱۳ رجولائی کو سینٹر قاضی عبداللطیف اور مولانا سمیع الحق نے شریعت بل سینٹ میں پیش کیا۔ پانچ سال سے مختلف نشیب و فراز کی نذر ہوتے ہوتے بالآخر ۱۶ رمئی ۱۹۹۱ء کو قومی اسمبلی نے پاس کر دیا۔ (۲۸ رمئی سینٹ) ۱۹۹۱ء اس طرح اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قرآن وسنّت کی بالادستی اور قانونِ شریعت کے نفاذ کا اعلان ہوگیا ــــ

(بقیہ علم وعلمائے دین اور اسلامی تحریکیں)

میں مددگار رہتا ہے۔ علم عمل کا رہنما اور عمل اس کا پیرو ہے۔ علم سعادت مندوں کو بخشا جاتا ہے اور شقی و بدبخت اِس سے محروم رہتے ہیں۔ مرتے وقت جو جستجوئے علم میں منہمک اور غرق ہو، اُس میں اور انبیاء میں سوائے درجۂ نبوت کے اور کوئی فرق نہیں۔ یہ گناہوں کا کفارہ ثابت ہوتا ہے۔ دو ہی چیزوں میں رشک وحسد کو روا رکھا گیا ہے۔ ایک اُس پر جسے اللہ نے مال دیا اور وہ صبح و شام یہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے ــ دوسرے اُس شخص پر جو کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے اور یہ علم دوسروں کو سکھانے میں مشغول رہتا ہے۔ شیطان کے لیے ہزار عابدوں سے ایک عالم زیادہ پریشان کُن ہوتا ہے۔ دین سیکھنے اور سمجھنے میں چند لمحے گزارنا لیلۃ القدر کو رات بھر جاگنے سے زیادہ بہتر ہے۔ صاحبِ علم کی توقیر نہ کرنا اور اُس کا مرتبہ گھٹانا منافقت ہے۔ عالم کا اکرام و احترام اللہ کا اکرام و احترام ہے۔

رسائل و مسائل

قربانی کے لیے جانوروں کی عمریں

(بعض وجوہ سے اس مضمون کے شائع ہونے میں تاخیر ہو گئی ہے۔ تاہم مسئلہ اور اس کے جواب کی اہمیت اپنی جگہ قائم ہے۔ (ادارہ)

سوال: مسئلہ در پیش ہے کہ قربانی کا جانور (بکرا، چھترا، دنبہ) ایک سال کا ہونا چاہیے۔ یا دو دانت ہونا ضروری ہے۔ مرسلہ حدیث اور دیگر احادیث جو بھی آپ کے پیشِ نظر ہوں، کی روشنی میں جواباً رسال فرمائیں۔ یا بہتر یہ ہے کہ عام قارئین کے لیے ترجمان القرآن یا ہفت روزہ ایشیا میں اشاعت فرما دیں۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔ میرے ذہن میں یہ بات پختہ تھی کہ جانور ایک سال کا ہونا چاہیے۔ لیکن میرے ایک اہلحدیث دوست نے مجھے یہ حدیث لکھ کر دی ہے۔

عَنْ جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تذبحوا الا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يُعَسَّرَ علیکم فجَذَعَةً من الضأن۔ (رواہ مسلم)

مجھے امید ہے کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں سے اس کارِ خیر کے لیے ضرور وقت نکال کر رہنمائی فرمائیں گے۔

جواب:

قربانی کے لیے جانوروں کی عمریں متعین ہیں۔ بکرا، بکری، دنبہ، چھترا وغیرہ ایک سال کا اور گائے وغیرہ دو سال کی۔ بلکہ بھیڑ اور دنبہ اگر سال سے کم بھی ہو لیکن خوب فربہ اور تیار ہو اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو وہ بھی جائز ہے، البتہ چھ مہینے سے کم کسی صورت میں نہ ہو۔ اس سلسلہ میں احادیث اور فقہا کی آراء

درج ذیل ہیں:

۱۔ عن ابی کباش قال جلبت غنماً جذعا الی المدینة فکسدت علی فلقیت اباھریرة فسألته فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نعم او نعمت الاضحیة الجذع من الضأن قال فانتھبه الناس۔

(رواہ الترمذی ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابی کباش سے روایت ہے کہ میں جذعہ کی عمر کی بکریاں مدینہ لایا ——— (تاکہ ان کو فروخت کر دوں) تو ان کی طرف کسی کو رغبت نہ ہوئی (اس لیے کہ ان کی عمریں کم تھیں اور لوگوں کا خیال تھا کہ ان کی قربانی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کوئی خریدنے کے لیے تیار نہیں تھا)۔ میں حضرت ابوہریرہ سے ملا اور جذعہ کی قربانی کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جذعہ کی قربانی بھی قربانی ہے۔ حضرت ابوکباش فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگ میری بھیڑوں اور دُنبوں پر خریدنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔

۲۔ عن عقبة بن عامر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطاہ غنماً یقسمھا فی اصحابه ضحایا فبقی عتوداً او جدی فذکرت ذلك لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ضح به انت۔ (رواہ الترمذی والمسلم وقال الترمذی حدیث حسن صحیح)

ترجمہ: عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھیڑ بکریاں دیں تاکہ وہ انہیں آپ کے اصحاب میں قربانی کے لیے تقسیم کر دیں۔ ان میں سے ایک "عتود" یا جدی باقی بچا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے تو قربانی کر۔ (ترمذی، مسلم۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے)۔

ان احادیث سے ثابت ہے کہ "جذعہ" اور "عتود" کی قربانی بالکل جائز اور صحیح ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ "جذعہ" اور "عتود" کسے کہتے ہیں۔

۱۔ مشہور اہل حدیث عالم علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری نے اپنی کتاب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی کے صفحہ نمبر ۳۵۵ باب فی الجذع من الاضاحی میں "جذع" کا معنی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"هو وصف لسن معين من بهيمة الانعام فمن الضأن ما اكمل السنة وهو قول الجمهور وقيل دونها۔"

یعنی جذعہ چوپایوں کی ایک خاص عمر کا وصفی نام ہے۔ بھیڑ اور دُنبہ میں جذعہ اس کو کہتے ہیں جو سال بھر کا ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ جانور ایک سال سے کم عمر کا نہ ہو۔ بہر حال جمہور کا قول سال والا ہے۔

۲۔ لغت کی مشہور کتاب، کتاب المخصص کے سفر سابع صفحہ نمبر ۱۸۶ پر جذعہ کا معنی کرتے ہوئے لکھا ہے:

فاذا تمت له سنة من مولده فهو "جذعة"

جب اس کے وقت پیدائش سے لے کر ایک سال ہو جائے تو وہ جذعہ ہے۔

۳۔ وذكر الزعفراني في الاضاحي "الجذع ابن ثمانية اشهر او تسعة اشهر۔

"بدائع الصنائع - ص ۷۰ - ج ۵"

زعفرانی نے باب الاضاحی میں ذکر کیا ہے کہ جذعہ آٹھ مہینے یا نو مہینے کے بچے کو کہتے ہیں۔ یعنی سال کے لگ بھگ کے بچے کو جذعہ کہتے ہیں۔"

دوسری حدیث میں "عتود" کی قربانی کا ذکر آیا ہے۔ اب دیکھیے کہ "عتود" کسے کہتے ہیں:۔

۱۔ قال اهل اللغة العتود من اولاد المعز خاصة وهو مارعی وقوی قال الجوهری وغیره هو ما بلغ سنة

(شرح الکامل للنووی صفحہ ۱۵۵۔ جلد ۲۔ باب سن الاضاحی)

"امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ اہلِ لغت کے نزدیک عتود اس بکرے یا بکری کو کہتے ہیں جو چر کر خوب قوی اور موٹا ہو چکا ہو اور جوہری اور دوسروں نے کہا ہے کہ عتود وہ ہے جس کی عمر ایک سال ہو۔

۲۔ اہلِ حدیث عالم علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

هو من اولاد المعز مارعی وقوی واتی علیه الحول

(تحفة الاحوذی)

"عتود" اس بکرے بکری کو کہتے ہیں جو خوب موٹا تازہ ہو اور ایک سال کا ہو۔

پس ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ فقہا اور اہلِ لغت کے نزدیک ـــــ!

جذعہ ایک سال کے لگ بھگ بھیڑ یا دُنبہ کو کہتے ہیں اور عتود یا جذی ـــ ایک سال کے لگ بھگ بکرا یا بکری کو کہتے ہیں ـ اور احادیثِ بالا سے ان دونوں کی قربانی کا جواز ثابت ہوا۔ اب اس بارے میں فقہائے احناف کی آرا ملاحظہ کیجیے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب جواہر الفقہ کے صفحہ نمبر ۴۴۹ میں لکھتے ہیں

۱۔ "بکرا بکری کے لیے ایک سال کا ہونا ضروری ہے۔ بھیڑ اور دُنبہ اگر اتنا فربہ ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو وہ بھی جائز ہے۔" (جواہر الفقہ)

۲۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بکرا ایک سال سے کم درست نہیں مگر بھیڑ اور دُنبہ چھ مہینے کا اگر خوب فربہ ہو تو وہ بھی درست ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ۔ ص ۵۵۲)

۳۔ مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قربانی کے لیے جانوروں کی عمریں معین ہیں۔ بکرا بکری ایک سال کا ہو اور گائے دو سال کی۔ چونکہ اکثر حالات میں جانوروں کی صحیح عمریں معلوم

نہیں ہوتیں۔ اس لیے اس کے دانتوں سے عمر معلوم کرنے اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے۔

مسنۃ کے معنی سال بھر والے اور دانتوں والے دونوں کے ہو سکتے ہیں لیکن سال بھر کا ہونا کسی بکرے کا جس کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو یا مشتبہ ہو بغیر دو دانتوں کے معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے عام حکم یہی دینا مناسب تھا اور وہی دیا گیا۔ (کفایت المفتی جلد ۸ کتاب الاضحیۃ)

۴۔ جذع کے بارے میں خصوصاً محدثین نے بھی اتفاقاً لکھا ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔ چنانچہ جامع الترمذی میں امام ترمذی نے لکھا ہے۔

والعمل علی ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی وغیرھم ان الجذع من الضان یجزی فی الاضحیۃ۔

رسول کریمؐ کے صحابہ کا عمل اسی پر ہے کہ جذع کی قربانی جائز ہے۔

صاحب تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں:

وذھب الجمھور الی الجواز وھو الحق یدل علیہ احادیث الباب (تحفۃ الاحوذی۔ ص ۳۵۶) جمہور علما اس طرف گئے ہیں کہ اس جذع کی قربانی) جائز ہے۔ اور یہی حق ہے جس پر اس باب کے احادیث بھی دلالت کرتے ہیں۔

آپ نے جو حدیث لکھ کر بھیجی ہے اُس کے بارے میں خود مسلم شریف کے شارح علامہ نووی نے لکھا ہے: قال الجمھور ھذا الحدیث محمول علی الاستحباب والافضل (شرح الکامل للنووی صحیح مسلم ص ۱۵۵۔ جلد ۲) جمہور علماء نے اس حدیث کو استحباب اور افضلیت پر محمول کیا ہے۔ یعنی مستحب اور بہتر یہ ہے کہ مسنۃ کی قربانی کی جائے اور اگر کسی وجہ سے یہ مہیا نہ ہو تو جذع کی قربانی کی جائے۔ آگے چل کر امام نووی اسی حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: ولیس فیہ تصریح بمنع جزعۃ الضان وانھا لاتجزی (حوالہ ایضاً مسلم شریف شرح الکامل للنووی) اور اس حدیث میں ایسی کوئی صراحت نہیں کہ سال بھر کا بھیڑ، دنبہ قربانی میں منع ہے یا یہ کہ یہ جائز نہیں)۔ (مولانا عبدالمالک)

مطبوعات

شیطان کی حسین آرزوؤں کے دلفریب مناظر | مؤلف: جناب محمد ریاض راضی ۔ ناشر: مکتبہ چراغِ اسلام ۱/۵ قذافی مارکیٹ ۔ اُردو بازار لاہور ۔ صفحات: ۲۰۸ ، قیمت: ۴۲/- روپے ۔

مَیں تیرے بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاؤں گا ۔ اُن کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، ہر طرف سے ہر طرح کے فریب سے اُنہیں بھٹکانے اور پھسلانے کی اپنی پوری کوشش کروں گا ۔ قرآن میں اس کا بڑا حربہ تزئین گناہ ونافرمانی بیان کیا گیا ہے ۔

ابن آدم اور ذرّیت ابلیس کے مابین خیر و شر کی یہ معرکہ آرائی ابتداءِ آفرینش سے جاری ہے اور رہتی دُنیا تک جاری رہے گی ۔ اس کے پروگرام سے شناسائی کے لیے قرآن مجید نے مختلف آیات و مقامات میں آدم و ابلیس کی جو مکالماتی سرگذشت بیان کی ہے ۔ وہ بڑی حد تک اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہے ۔

قابلِ توجہ بات ...... آیات پوری احتیاط سے کتابت نہیں ہوئیں ۔ اور نہ تصحیح کا پورا اہتمام و بندوبست کیا گیا ہے ۔ مثلاً ص ۱۱ پر لفظ فَاهبطُ ہے جو دراصل فَاهْبِطْ ہونا چاہیے ۔ ساتھ ہی [illegible] تتکبر [illegible] نہیں فِیْهَا ہونا چاہیے ۔ اسی صفحہ پر انظرنی یوم یبعثون درج ہے ، حالانکہ یوم سے پہلے اِلیٰ ہونا چاہیے ۔ ص ۱۳ پر فسجدوا الملئکۃ درج ہے ، اس میں واؤ کا کوئی مقام نہیں ۔ اسی صفحہ پر خَلَقْتَ بِیَدَیَ درج ہے ، یہاں ت پر زبر نہیں پیش ہے ۔ اسی صفحہ پر آنا

سُخِیُو درج ہے جو انا خیرٌ ہے۔ صفحہ ۴ا پر سَابِ اَنۡظُرۡنِیۡ اِلٰی یوم درج ہے۔ جو رَبِّ اَنۡظِرۡنِیۡ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ہے۔ اور ص ۱۵ پر لَمۡلَئَنَّ درج ہے جو لَاَمۡلَئَنَّ ہے۔ ص ۴۲ پر فَاِنۡ اَنۡتُمۡ کے بجائے فَاِنۡ اَنۡتُمۡ ہونا چاہیے۔

پوری کتاب میں بے شمار غلطیاں ہیں۔ جن کی تصحیح بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ موجودہ صورت میں آیات کے معنی بدل جاتے ہیں۔ کتاب کی ایک جدت بھی سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ہر آیت سے پہلے تعوذ اور تسمیہ کا التزام بڑی احتیاط اور شدت سے کیا گیا ہے۔

(ع۔و)

نقوشِ ہدایت | مصنف: سراج الدین ندوی صاحب۔ ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ صفحات: ۸۰ قیمت: ۵/- روپے۔

جناب سراج الدین صاحب ندوی کا تالیف کردہ ۸۰ صفحات پر مشتمل بظاہر ایک مختصر سا کتابچہ ہے جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں قرآن اور حدیث کے حوالہ سے نہایت قیمتی اور مفید معلومات جمع کی گئی ہیں۔ مثلاً توحید کے تقاضے، اطاعتِ رسولؐ، تصورِ آخرت، دعوت و تبلیغ، اسلامی اجتماعیت، تعلیم و تربیت، معاشیات، عدالتِ اسلامی، سیاسیات، اخلاقی محاسن، اخلاقی رذائل وغیرہ عنوانات کے تحت پہلے قرآنی آیات، پھر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کی گئی ہیں۔ موصوف نے حقیقت میں کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔

آخر میں ایک اہم فروگذاشت کی نشاندہی بھی نہایت ضروری ہے۔ کتابچہ کے ص ۶۹ پر طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ درج ہے۔ نیچے حوالہ بخاری کا دیا گیا ہے۔ یہ حدیث بخاری میں کہیں بھی نہیں ہے، بلکہ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں بھی طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ہے۔ مسلمۃ کا لفظ وہاں بھی منقول نہیں ہے۔ حوالہ اور متن درج کرتے وقت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

(ع۔و)

قرآن مجید کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں میں

مؤلف : مظہر ممتاز قریشی ۔ ناشر: بہادر یار جنگ اکادمی کراچی۔ ضخامت : ۱۶۰ صفحات۔ قیمت: ۳۰/- روپے

یہ حقیقت ، بلکہ بدیہی حقیقت ہے کہ اسلام عالمگیر اور ہمہ گیر دین ہے۔ اس کی بنیادی تعلیمات کا مجموعہ قرآن مجید ہے ۔ قرآن کلام الہٰی ہے ، کسی فرد بشر یا مخلوق کا کلام نہیں۔ لاریب اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ ۔

بنی نوع انسان تک اس کی اساسی و بنیادی تعلیمات پہنچانے کے لیے ناگزیر تھا کہ اس کے معانی و مطالب عربی زبان سے دوسری زبانوں میں بیان کیے جائیں ، تاکہ براہ راست آشنائی نہ رکھنے والے لوگ اپنی اپنی ملکی اور علاقائی زبان میں اس کے پیغام و دعوت کو سمجھ سکیں ۔

قرآن مجید کے تراجم دنیا کی ہر زبان میں کیے جا رہے ہیں۔ اب تک کی معلومات کی حد تک تقریباً ۵۶ زبانوں میں مکمل اور ۵۶ زبانوں میں نامکمل تراجم ہو چکے ہیں ۔ قرآن کے تراجم جنوبی ہند کی زبانوں گجراتی ، تلیگو ، کنڑی ، تامل ، ملیالم اور مراٹھی میں کیے جا چکے ہیں ۔ ان سے مؤلف نے روشناس کرایا ہے۔ مزید برآں قرآن مجید کے مکمل تراجم کی تاریخ اور اس کے تراجم پر سیر حاصل بحث کی ہے ۔

قرآن مجید سے لگاؤ اور شغف رکھنے والے طلبا اور طالبات اور دیگر حضرات کے لیے نہایت فائدہ مند کتاب ہے ۔ کتابت و طباعت عمدہ اور دیدہ زیب ہے ۔

(ع - د)

یاایھا الذین آمنوا

مؤلف : خالدہ تنویر ۔ ناشر: یقین اسلامک پبلشرز ۔ العزیز مارکیٹ ۱۷ - اردو بازار ، لاہور ۔ ضخامت ۲۴۴ صفحات ۔ قیمت : ۲۱/- روپے

قرآن مجید سراسر رشد و ہدایت کی کتاب ہے ۔ رشد و ہدایت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے اس میں بیان نہ کر دیا گیا ہو ۔ گویا پوری کی پوری ہدایت کا مکمل مجموعہ قرآن مجید ہے ۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے تحت وہ تمام ہدایات بیان کر دی گئی ہیں جو اہلِ ایمان کی دُنیوی اور اُخروی زندگی کی کامیابی و کامرانی کے لیے ضروری تھیں۔ ایک ایک آیت پڑھتے جائیے ہر ایک میں اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ ہم ہیں کہ بے شعوری کے عالم میں اسے پڑھ کر گزر جاتے ہیں، نہ غور و فکر کرتے ہیں، نہ تدبر۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ کے خطاب فرما کر جو ہدایات دی ہیں، ظاہر ہے وہ خصوصی ہدایات ہی ہوں گی تبھی تو بالاختصاص اہلِ ایمان کا نام لے کر خطاب فرمایا ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ اہلِ ایمان کو، ایمان، تقویٰ، اطاعت و عظمتِ رسولؐ، انفاق فی سبیل اللہ، صبر و استقامت، دعوت الی الحق، حسنِ معاملات، حسنِ معاشرت، احکام اور عام ہدایات دی گئی ہیں۔

آج مسلمان بھی مادہ پرستی و جاہ و منصب کے حصول کے مرض میں بُری طرح مبتلا ہو چکا ہے۔ بالخصوص نفاق کا مرض تو زندگی کے ہر شعبہ میں سرایت کر چکا ہے۔ لہٰذا ہر اہلِ ایمان کو اپنا جائزہ خود لینا چاہیے اور ان ہدایات کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنا چاہیے۔ اپنے اندر پائی جانے والی بیماریوں سے نجات کی فکر کرنی چاہیے تاکہ وہ پکا اور سچا مومن بن سکے۔

اس لحاظ سے کتاب میں مناسب محنت سے مواد جمع کیا گیا ہے۔ محترمہ خالدہ تنویر صاحبہ مستحقِ مبارک باد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو شرفِ قبولیت بخشے۔ آمین۔

(ع۔ و)

---

۱۰ دن میں عربی بول چال | مؤلف: محمد بابر راشی۔ ناشر: اسلامک پبلیکیشنز۔ ۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور۔ ضخامت: ۱۴۰ صفحات۔ قیمت: ۱۹/۵۰ روپے

اس مختصر سی کتاب میں بڑی مفید معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔ اس بنا پر اسے عمدہ اور اچھی کتاب قرار دیا جا سکتا ہے ــــ اس میں چھوٹے چھوٹے روزمرہ بولے جانے والے عربی جملوں سے لے کر باہمی مکالموں تک کی عملی مشقیں جمع کر دی ہیں۔

اس میں امثال العرب کو لیا گیا ہے۔ ریل کے سفر میں استعمال ہونے والے جدید عربی الفاظ، سرِ راہ گفتگو میں استعمال کیے جانے والے فقرات، دستر خوان پر بیٹھے ہوئے کلام کرنے کا طریقہ۔ اشیائے خوردنی، سبزیات اور ترکاریاں، سبھی کے نام درج کیے ہیں۔ دکاندار اور گاہک کے مابین گفتگو، جسم انسانی کے اعضاء، انسانی زندگی کی مختلف حالتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ نیز ٹریولنگ ایجنسی، ڈاک خانہ، مواصلات، گھریلو ساز و سامان، بنک کے بارے میں عربی الفاظ، مملکت سے متعلق معلومات کیبنٹ کے ارکان، ممبرانِ مجلس اور عمارت اور اس کے متعلقات، فوج اور سیاست، تجارت کے بارے میں سارے الفاظ جمع کیے گئے ہیں۔ آخر میں عربی میں پاکستان کے متعلق مکالمہ، دعوت نامے کے نمونے اور دعا پر کتاب ختم ہوتی ہے۔

تھوڑے وقت میں زیادہ معلومات اور ذخیرۂ الفاظ سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اچھی کتاب ہے۔ (ع س)

کمپیوٹر کیا ہے؟ | جناب حکیم نعیم الدین زبیری۔ ناشر: نونہال ادب، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی۔ صفحات: ۵۲، مصوّر، غیر مجلد۔ قیمت ۸/- روپے۔

کہا جاتا ہے کہ جس طرح بجلی کی دریافت نے انسانی زندگی میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا۔ اسی طرح کمپیوٹر ہماری دنیا کو کچھ سے کچھ بنا دے گا۔ یہ حیرت انگیز مشین ہماری زندگی میں حیران کن سہولتیں فراہم کر رہی ہے۔ اور اس کی کارکردگی ترقی پذیر ہے۔

حکیم نعیم الدین زبیری صاحب نے اس رسالے میں کمپیوٹر کی تاریخ، ساخت اور کارکردگی کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کی ہے۔ اور ایسے آسان انداز میں کہ ہر بات بالکل آسانی سے سمجھ میں آتی چلی جاتی ہے۔ وضاحت کے لیے تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ایک انتہائی مفید کوشش ہے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی نے اسے بہت توجہ اور سلیقے سے شائع کیا ہے۔ قیمت نہایت مناسب، بلکہ بہت کم ہے۔ (ن۔ ز)

پیغام ڈائجسٹ لاہور | مدیر اعلیٰ: علی المرتضیٰ - بہ تعاون مجلس ادارت -
قیمت فی پرچہ چار روپے - سالانہ چالیس روپے - پتہ: ۱- اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور -

بچوں کے لیے جو رسائل شائع ہو رہے ہیں - ان میں پیغام ڈائجسٹ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسے اسلامی جمعیت طلبہ کے ہونہار کارکن مرتب اور شائع کرتے ہیں - جلد ۳ کا شمارہ اپریل ۱۹۹۱ء ہمارے سامنے ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسے طلبہ کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنایا گیا ہے - بالخصوص اس کی یہ خوبی تو بہت ہی لائق تحسین ہے کہ موجودہ اہم قومی اور ملی مسائل جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر سے متعلق کہانیاں اور نظمیں شامل کی گئی ہیں - یہ رسالہ بچوں کے لیے ہر لحاظ سے مفید ہے - توسیعِ اشاعت میں حصہ لینا چاہیے - (ن - ز)

دربارِ رسالت ﷺ | مرتبہ: گُل بخشالوی - ناشر: قلم قبیلہ، کھاریاں، پاکستان -
ضخامت: ۲۴۲ صفحات - سائز ۲۳×۱۸ غیر مجلد - قیمت ۱۰۰/ روپے

نعتوں کے اس مجموعے میں ۱۲۵ شاعروں کی منتخب نعتیں شائع کی گئی ہیں - فاضل مرتب نے ان شعراء کے پتے بھی شامل کر دیتے ہیں -

گل بخشالوی صاحب خود بھی ایک اچھے شاعر ہیں اور دوسرے شاعروں کے کلام کے انتخاب کا عمدہ شعور رکھتے ہیں - اس سے پہلے وہ غزلوں کا انتخاب شائع کر کے شہرت حاصل کر چکے ہیں - ہمیں امید ہے کہ ان کا یہ کام بھی اہلِ نظر سے داد حاصل کرے گا -

ہم اس مجموعے کو خریدنے کی پرزور سفارش کرتے ہیں - ہمارے دور میں جو نعتیہ مجموعے شائع ہوتے ہیں - یہ مجموعہ ان میں ایک قیمتی اضافہ ہے -

(ن - ز)

اسلام اور نظریۂ مساواتِ مرد و زن | مصنف: مولانا محمد رفیق چودھری۔
ناشر: ادارۂ معارفِ اسلامی، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۱۹۹۔ سائز ۲۲×۱۸/۸
غیر مجلد۔ قیمت: ۳۹/- روپے۔

خرد کا نام جنوں رکھ لینے کے رجحان، بلکہ سازش کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ مغرب کا مضبوط پریس اسلام کو عورت کے حقوق کا غاصب ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتا رہا ہے۔ اس خطرناک سازش کے نام نہاد مصنفین نے عورت کو (بزعم خود) معزز کرنے کا ایک نسخہ خود ایجاد کیا اور اس نے عورت کو اس طرح ذلیل کر دیا کہ اسلام کے لباس فاخرہ کا ایک تار بھی اس کے جسم پر باقی نہ رہا۔

محترم مولانا محمد رفیق چودھری نے اس کتاب میں یورپ و امریکہ کی نام نہاد حریت نسواں اور اسلام کے عطا کردہ حقوق کا تقابلی مطالعہ کیا ہے اور دستاویزی ثبوت پیش کر کے بہت منظم انداز میں پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کتاب لکھ کر چودھری صاحب نے طبقۂ نسواں کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ ہم اس کے مطالعہ کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔ بچیوں کو اس کے مطالعے کی نہ صرف ترغیب دینی چاہیے، بلکہ بہت کوشش کر کے اس کے مطالعے کا موقع فراہم کرنا چاہیے۔ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے انسانی معاشرے کے سدھار کا انحصار عورت کے سدھار پر ہے اور شعور سے لکھی ہوئی ایسی کتابیں ذہنوں کے جالے اتارنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ (ن۔ ف)

اسلام اور جدید ریاستی نظام | (خصوصی مطالعہ ایران و پاکستان) از جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور صاحب۔ ناشر: مکتبہ تعمیر انسانیت۔ اردو بازار، لاہور۔
قیمت: ۹۰/- روپے (سفید کاغذ، اعلیٰ طباعت)

زیر نظر کتاب کا مقصد اسلامی نظامِ زندگی کا ایسا خاکہ مرتب کرنا ہے کہ جو ایک طرف تو جدید سیاسی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت سے پوری طرح بہرہ ور ہو۔

تو دوسری طرف اسلامی تہذیب، ورثہ اور اُس کی روح سے بھی پوری طرح مطابقت رکھتا ہو۔

اس قسم کے موضوعات پر ٹھوس، مدلل اور مؤثر انداز سے ایسے دانشور ہی قلم آرائی کر سکتے ہیں، جو جدیدیت کے چیلنجوں اور عصر حاضر کی فکری یلغار کی نوعیت پر عمیق نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلامی روایت اور موجودہ تہذیبی تقاضوں کو بھی پوری طرح سمجھتے ہوں۔ فاضل مصنف اس اعتبار سے اپنی اس کاوش میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

کتاب کا اسلوب نہایت دلنشین، عالمانہ اور اس کے ساتھ ساتھ عام فہم ہے۔ مغربی افکار اور ہم عصر سیکولر نظریات، مثلاً مغربی لبرل ازم، اشتراکیت اور دیگر کلیت پسندانہ تحریکوں کی نوعیت اور اقسام کا غیر جانب دارانہ تجزیہ کرکے اسلام کی تعلیمات سے ان کا موازنہ کیا گیا ہے۔ بلاشبہ عالم اسلام میں کارفرما جدید سیاسی رجحانات اور درپیش چیلنجوں کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب اسلامی لٹریچر میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

رُوحِ اَفکارِ مودُودی

جسے میجر (ریٹائرڈ) غلام محی الدّین اعوان نے

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودُودیؒ کی تفہیم القرآن میں سے انھیں کے الفاظ میں مرتّب کیا ہے۔

	صفحات	قیمت
دنیا کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۱۹۰	-/۲۷ روپے
آخرت کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۳۸۰	-/۵۱ ″
انسان کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۴۹۰	-/۶۶ ″
شیطان کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۹۸	-/۱۵ ″
تقدیر و مشیت کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۵۰	۷/۵۰ ″
توبہ و استغفار کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں	۹۰	-/۱۲ ″
اہلِ جنت کے لیے انعامات و اکرامات کی حقیقت قرآن کی روشنی میں	۱۱۴	۱۶/۵۰ ″

زیرِ طبع:

- انڈیکس تفہیم القرآن

زیرِ ترتیب:

- توحید و شرک کی حقیقت، قرآن کی روشنی میں
- اہلِ دوزخ کے مصائب و تعذیبات، قرآن کی روشنی میں

- سائز: $\frac{18 \times 23}{8}$
- کاغذ: فلائنگ
- طباعت: عکسی
- ٹائیٹل: دیدہ زیب

ادارہ

ترجمان القرآن (پرائیوٹ) لمیٹڈ

اردو بازار، لاہور

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE

جاری کردہ : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

رودادِ اجتماعِ عام

- افتتاحی خطاب
- کلیدی خطاب
- خطاب جلسۂ عام
- اختتامی خطاب

قاضی حسین احمد، امیر جماعتِ اسلامی

- رپورٹ جماعتِ اسلامی پاکستان، ۸۳ء-۸۹ء
  (قافلۂ حق کی چھ سالہ رودادِ سفر)
- اعلامیہ

دیگر تقاریر

- دروس قرآن و حدیث
- انقلابی کردار : ایمان، جہاد اور دعوت
- انقلابی جماعت : رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ
- پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا کردار
- اسلامی انقلاب میں خواتین کا کردار
- نوجوان — اسلامی انقلاب کا ہراول دستہ
- ہم اس ملک میں کیا معاشی تبدیلیاں لائیں گے؟
- بین الاقوامی مندوبین

اجتماعِ عام نمبر ۸۹ء

مقررین

میاں طفیل محمد ○ مولانا جان محمد عباسی ○ پروفیسر غفور احمد
چودھری رحمت الٰہی ● پروفیسر خورشید احمد ● خرم مراد
نعیم صدیقی ○ مولانا خلیل احمد حامدی ○ مولانا گوہر رحمٰن
مولانا فتح محمد ● حافظ محمد ادریس ● لیاقت بلوچ
سید منور حسن ○ ایوب ٹھاکر ○ ڈاکٹر صیام

- ٹائٹل، دیدہ زیب
- کتابت، کمپیوٹرائزڈ
- ضخامت، ۲۶۴ صفحات
- قیمت، ۳۰/- روپے
- لائبریری ایڈیشن، ۴۵/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اردو بازار، لاہور
فون: ۳۲۴۴۶۹-۶۸۶۳۶ : پوسٹ بکس ۱۴۳۳